MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL
ماھنامہ
لاھور
مرآۃ العارفین انٹرنیشنل
جلد نمبر 24
شمارہ نمبر 11
مارچ 2024ء، شعبان المعظم/ رمضان المبارک 1445ھ
WWW.MIRRAT.COM
قرآن نمبر
شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن

قرآن مجید ہر مسلمان کے لیے
بنیادی ضابطہ اور دستور کی حیثیت رکھتا ہے
جس پہ عمل پیرا ہو کر ہی ایک فلاح یافتہ اور
کامیاب زندگی بسر کی جا سکتی ہے۔

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست؟
زیر گردوں سر تمکین تو چیست؟
آں کتابِ زندہ، قرآن حکیم

(رموزِ بیخودی)

ترجمہ: (اے مسلم) کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرا آئین کیا ہے؟ اور اس آسمان (دنیا) کے نیچے تیرا قیام
اور تیری قدر اور عزت کا راز کیا ہے؟ ہاں تیرا دستور وہ زندہ کتاب ہے جو قرآن حکیم کے نام سے معروف ہے۔

تعلیماتِ قرآن سے حقیقی معنوں میں فیض حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ ہر مسلمان قرآن مجید کے
ظاہر کے ساتھ ساتھ قرآن کے باطن میں بھی غوطہ زنی اور فکر و تدبر کو اپنا شعار بنائے۔

A Public Awareness Message

مسلسل اشاعت کا چوبیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل لاہور

مارچ 2024ء، شعبان المعظم/رمضان المبارک 1445ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فیضانِ نظر

سُلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب قدس سرہ العزیز

چیف ایڈیٹر: صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ: سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ ، مفتی محمد شیر القادری ، افضل عباس خان

آرٹ ایڈیٹر: محمد احمد رضا ، واصف علی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان، اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1 اقتباس 3

اداریہ

2 دستک 4

قرآن نمبر

قرآن مجید: نسلِ نَو کیلئے اسباق

3 قرآن کا فلسفۂ عملیت پسندی — وسیم فارابی 5

4 قرآن اور عصری علوم — مفتی وسیم اختر المدنی 11

5 تعلیماتِ قران میں فنونِ لطیفہ کا انعکاس اور مسلم تہذیب کا مختصر مطالعہ — ڈاکٹر فیاض احمد شاہین 15

6 منطق و استدلال کیلئے تجویز کردہ قرآنی اصولوں کی عصری تحقیق میں مؤثریت — مفتی وسیم اختر المدنی 19

تقدسِ قرآن مجید:

7 توہینِ قرآن کی روک تھام کے لیے اقوام متحدہ کے اقدامات کا تنقیدی جائزہ — جاوید اقبال 26

8 تحفظ تکریمِ قرآن مجید اور عالم اسلام کا اضطراب — مفتی محمد شیر القادری 32

قرآن مجید اور تعلیماتِ غوثیہ قادریہ:

9 تفسیر الجیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا عصر حاضر کے رجحانات میں جائزہ — مفتی محمد اسماعیل خان نیازی 36

10 فتوح الغیب میں قرآنی مباحث کا مختصر مطالعہ — مفتی محمد منظور حسین 41

11 سیاحت کا تصور اور قرآن مجید میں "سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ" کی مقصدیت — مفتی محمد صدیق خان قادری 47

فی شمارہ نیوز پیپر 80 روپے
سالانہ (ممبرشپ) 960 روپے

فی شمارہ آرٹ پیپر 110 روپے
سالانہ (ممبرشپ) 1320 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
800	400	280

اپنی بہترین اور مؤثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-1275009

پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم نعیم آرٹ پریس، بندر روڈ، لاہور سے چھپوا کر 8-BS-698 تاج کمپنی چوک نزد ایم سی بی جوہان روڈ بندر روڈ لاہور سے شائع کیا

برائے خط وکتابت: ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com

WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حم سجدہ:41-42)

”بیشک یہ بہت معزز کتاب ہے- اس میں باطل کہیں سے نہیں آسکتا نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ کتاب بہت حکمت والے، حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہے“-

”حضرت سہل بن معاذ (رضی اللہ عنہ) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس پر عمل بھی کیا اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اس دنیا میں لوگوں کے گھروں میں چمکنے والے سورج کی روشنی سے زیادہ حسین ہو گی- تو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے خود اس پر عمل کیا؟ (سنن ابی داؤد، باب فی ثواب قرأۃ القرآن)

سرِ جانی محبوبِ سبحانی غوث الاعظم محی الدین

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رضی اللہ عنہ)

فرمان

”اللہ عزوجل نے اپنی کتاب کی آیات مبارکہ کا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس میں باطل کہیں سے نہیں آسکتا نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ کتاب بہت حکمت والے، حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہے“- (حم السجدہ) پس باخبر طالب ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کتاب کے چھپے ہوئے اسرار جو اس کی تہوں میں پوشیدہ ہیں کی تلاش میں غوطہ لگائے اور اس کے سمندر میں غوطہ زن ہو حتیٰ کہ اس کے یکتا موتیوں اور اس کے ہاروں میں پروئے گئے ہیرے جواہرات حاصل کرنے میں اور جو اللہ عزوجل کے اخلاق سے متخلق ہونے میں کامیاب ہو جائے- حتیٰ کہ خلافت و نیابت اس کو عطا کر دی جائے تو وہ خطابِ الٰہی کا مستحق بن جائے گا“-

(تفسیر الجیلانیؒ)

سلطان العارفین

حضرت سلطان باھُو (رحمۃ اللہ علیہ)

فرمان

جیں دل عشق خرید نہ کیتا سو دل بخت نہ بختی ھو
استاد ازل دے سبق پڑھایا ہتھ دتس دِل تختی ھو
بر سر آیاں دم ناں ماریں جاں سر آوے سختی ھو
پڑھ توحید تاں تھیویں واصل باھو سبق پڑھیوے وقتی ھو

(ابیاتِ باھُو)

فرمانِ علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
جو حرف 'قل العفو' میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار!

(ضربِ کلیم)

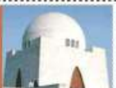

فرمانِ قائدِ اعظم محمد علی جناح (رحمۃ اللہ علیہ)

ایمان ، اتحاد، تنظیم

”اب ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم قرآنی تعلیم پر عمل پیرا ہو جائیں یعنی اگر تمہیں کسی فرقے کی طرف سے غداری یا عہد شکنی کا خدشہ ہو تو ان کے ساتھ طے شدہ معاہدہ ان کے منہ پر مار دو، اللہ عزوجل غداروں اور عہد شکنوں کے اعمال کو پسند نہیں فرماتا“-

(آل انڈیا مسلم لیگ کا تیسواں سالانہ اجلاس-24 اپریل، 1943ء)

قرآن فہمی کے تقاضے

رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: "قرآن پاک ہر چیز سے افضل ہے پس جس نے قرآن پاک کی تعظیم کی پس اس نے اللہ عزوجل کی تعظیم کی اور جس نے قرآن پاک کی بے حرمتی کی اس نے اللہ عزوجل کے حق کو ہلکا سمجھا"-(تفسیر قرطبی)

قرآن پاک پڑھ کر ایک مسلمان کا کیا ردِ عمل ہونا چاہیے؟ قرآن پاک میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام اُتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزا ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دُہرائے گئے ہیں-اُسے سُن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذِکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں- یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہِ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے"-(الزمر:23)

آیئے ہم اپنا جائزہ لیں کہ کیا قرآن پاک سن یا پڑھ کر ہماری حالت ایسی ہو جاتی ہے؟ کیا ہمارے جسم لرز اٹھتے ہیں یا رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں؟ کیا ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں؟ یا العیاذ باللہ کیا ہم اللہ عزوجل کی اس آیت مبارک کے مصداق تو نہیں بن گئے "- پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت"-(البقرۃ:74)

مقامِ افسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر نہ ہو- حالانکہ قرآن پاک کی تاثیر اس قدر ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر اتارا جاتا تو وہ بھی اس کی ہیبت و جلالیت کی تاب نہ لا سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اگر ہم نے یہ قرآن پاک کسی پہاڑ پر بھی اُتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے"-(الحشر:21)

قرآن مجید سُن کر بھی اگر انسان کی دل پر اثر نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی قساوت پیدا کر دی ہے جس پر کوئی بڑی سے بڑی حقیقت بھی اثر انداز نہیں ہوتی اور اس کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ غور و فکر و تدبر کا نہ ہونا ہے یعنی ہم نے قرآن مجید میں غور و فکر و تدبر کو ترک کر دیا ہے حالانکہ اللہ پاک نے قرآن مجید کا شان نزول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے محمد (ﷺ)) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر والے اس سے سبق لیں"-(سورۃ ص:28)

یعنی ہم سب کیلئے ضروری ہے کہ ہم قرآن پاک کی تعلیمات کو سمجھیں، اس میں غور و فکر و تدبر کریں، اس کے احکامات پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں تک اس کی نورانی و روحانی پیغام کو پہنچائیں- اسی چیز کی دعوت دیتے ہوئے شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا:

> قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

بعض اوقات ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن پاک ایک عربی کتاب ہے جس کی فہم و استفادے کیلئے وسیع و عریض علم کی ضرورت ہے اللہ عزوجل نے اس غلط فہمی کا ازالے فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اور یقیناً ہم نے اس قرآن پاک کو نصیحت کیلئے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟ (القمر:17) اور اس چیز کو اللہ پاک نے بار بار دہرایا ہے-

بد قسمتی جن لوگوں نے نادانی کی وجہ سے قرآن مجید کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا، قیامت کے دن یہ عمل ان کے لیے باعث حسرت ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "ہائے شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا- اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے اور پیغمبر کہیں گے کہ اے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کریم کو چھوڑ رکھا تھا"-(الفرقان:28-30)

یقیناً قرآن پاک کو عملاً چھوڑ دینا بھی گناہِ عظیم ہے اور یہ کفار کا کام ہے اور کوئی مسلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مسلمان قرآن کریم پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرنے کی، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں- حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے قرآن پاک پڑھا، مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا، نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی، نہ اس کے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن پاک اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا، اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرمادیں-(البیضاوی)

اللہ عزوجل ہم سب کو قرآنی احکامات کو دل و جان سے تسلیم کر کے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے- آمین!

قرآن کا فلسفۂ عملیت پسندی

وسیم فارابی
شعبہ فلسفہ، جی سی یونیورسٹی لاہور

اس جہان کی ہر شے کا وجود تب تک برقرار رہتا ہے جب تک وہ شے حرکت کرتی رہتی ہے- اگر سورج، چاند، زمین اور دوسری آسمانی مخلوقات کی حرکت ایک لمحے کیلئے بھی رُک جائے تو کائنات کا نظام تباہ ہو جائے گا- لہٰذا، ہمیں اس کائنات میں جو ترتیب نظر آتی ہے اس کی بنیادی وجہ کائنات کی ہر شئے کا مسلسل اپنی فطری حرکت کو جاری رکھنا ہے-[1] چونکہ قرآنی تعلیمات کے مطابق انسان اشرف المخلوقات ہے[2] تو حرکت کا یہ قانون اس کی زندگی کیلئے زیادہ اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے اور اس انسانی حرکت کو قرآن نے عمل کی قوت کا نام دیا ہے- جس طرح زمین کی گردش رُک جانے سے زمین پر زندگی کا نظام تباہ ہو جائے گا اسی طرح ایک انسان میں عمل کی قوت ختم ہو جانے سے اس کی زندگی کی رونق ختم ہو جائے گی اور اس کی چھپی ہوئی صلاحیتیں آہستہ آہستہ زنگ آلود ہو کر بالکل ختم ہو جائیں گی- یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم خیال اور سوچ سے زیادہ عمل کو پسند کرتا ہے اور انسان میں حقیقت کی جستجو کیلئے تحرک کو پیدا کرتا ہے- اس مضمون کا مقصد قرآن مجید کے فلسفۂ عملیت پسندی کا مختصر تعارف پیش کرنا ہے-

قرآن مجید کا فلسفۂ عملیت پسندی کیا ہے؟

قرآن مجید سب سے پہلے اپنے پڑھنے والے کو اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ زندگی فقط اس جہان تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ دنیا تو زندگی کے سفر میں ایک مقام ہے اور ابھی زندگی کے اس سفر میں اور مقامات آنے ہیں- قرآن کریم جنت اور جہنم دونوں میں قیام سے متعلق ”هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ“[3] کہتا ہے جس سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنتی و جہنمی دونوں پر زندگی ختم نہیں ہونے والی ہے- زندگی کا پہلا مقام یہ دنیا اور دوسرا مقام آخرت ہے- مگر زندگی اس کے بعد بھی جاری و ساری رہے گی جس کی حقیقتیں ہم پر آہستہ آہستہ کھلیں گی- لہٰذا، موت ایک ایسے ہتھیار کے سوا کچھ نہیں ہے جو انسان کو زندگی کے ایک مقام (دنیا) سے دوسرے (آخرت) کی طرف دھکیل کر اس پر حقیقت کو کھول دیتی ہے- زندگی کے اس نظریے کا بنیادی مقصد انسان کے اندر زندگی اور اس کی حقیقتوں کو قبول کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہے جسے انسان قبول کرنے سے بھاگتا ہے[4] اور اپنی خیالی دنیا میں رہنا پسند کرتا ہے- قرآن کریم کا تقاضا ہے کہ انسان ان حقیقتوں کا اپنے مکمل شعور کے ساتھ مشاہدہ کرے تاکہ وہ ان تجربات سے گزر کر یقین حاصل کر لے جو کہ قرآن مجید کے مطابق انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ:

> ”اے انسان! تو اپنے رب کی طرف (پہنچنے کی) بہت زیادہ کوشش کرتا ہے- پس تو اس سے ضرور ملاقات کرے گا“-[5]

جب انسان زندگی کو اس کی تمام حقیقتوں کے ساتھ قبول کر لیتا ہے تو قرآن کریم اسے یہ بتاتا ہے کہ زندگی آزمائش کا نام ہے جس میں سکھ، دکھ، مال، اولاد، جان حتیٰ کہ سب کچھ کے ذریعے انسان کی آزمائش مقصود ہے- اس لیے قرآن مجید نے انسان کی تخلیق کو یوں بیان کیا ہے:

[1](الانبیاء:33)
[2](بنی اسرائیل:70)
[3](البقرۃ:25)
[4](ق:19)
[5](الانشقاق:6)

"بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تا کہ اسے آزمائیں"۔[6]

یعنی انسان کی بنیاد میں ہی سکون و قرار کا مادہ شامل نہیں اس لیے وہ ماں کے پیٹ میں ایک حالت سے دوسری میں بدلتا رہتا ہے[7] اور یہی حال اس کا اس جہان میں ہوتا ہے کہ وہ ذہنی و دلی طور پر ہر وقت کسی نہ کسی کیفیت میں رہتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید ایک مقام پر واضح الفاظ میں فرماتا ہے:

"بے شک ہم نے انسان کو تکلیف و مشقت (کی حالت) میں (رہنے والا) بنایا ہے"۔[8]

مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور ہم ضرور کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جان اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے"۔[9]

"تمہیں ضرور تمہارے مال اور جان سے آزمایا جائے گا"۔[10]

اسی طرح لوگوں کے درمیان امیر و غریب، بیمار و صحت مند، عالم و جاہل، وغیرہ کی درجہ بندی بھی آزمائش کیلئے ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ:

"اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے تا کہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے"۔[11]

جب انسان کو یہ پتہ چلتا ہے کہ زندگی مختصر نہیں ہے بلکہ لا محدود ہے اور اس میں انسان کو طرح طرح سے آزمایا جائے گا تو ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ آزمائش کیوں؟ یہ سارے ہنگامے اگر آزمائش کیلئے ہیں تو پھر آزمائش بھی کسی نہ کسی مقصد کیلئے ہو گی۔ وہ مقصد کیا ہے اس کا اظہار قرآن کریم کچھ یوں کرتا ہے:

"اسی (اللہ تعالیٰ) نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون احسن عمل کرتا ہے"۔[12]

یعنی زندگی اور موت اور اس کے تمام عوامل جو انسان کو پیش آتے ہیں ان کا مقصد انسان کی آزمائش ہے اور آزمائش کا مقصد یہ ہے کہ خدا جو اپنے علم سے سب کچھ جانتا ہے[13] ہمارے اعمال کا مشاہدہ کر کے جاننا چاہتا ہے[14] کہ کون کیا کیا عمل کرتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے نزدیک زندگی کے مقصد کی بنیاد عمل ہے۔ جہاں عمل نہیں ہے وہاں زندگی نہیں ہے اور جہاں زندگی نہیں ہے وہاں زندگی کے دیگر عوامل کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور بیشک ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جنات اور انسان پیدا کئے ہیں ان کے ایسے دل ہیں جن کے ذریعے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی ایسی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے نہیں اور ان کے ایسے کان ہیں جن کے ذریعے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے، یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں"۔[15]

اس لیے قرآن مجید ایمان کی بنیاد بھی عمل پر رکھتا ہے اور فرماتا ہے:

"کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی"۔[16]

اور اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس زمینی زندگی میں لذت رکھ دی ہے اور فرمایا ہے:

"جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے زمین کی زینت بنایا ہے تا کہ اس سے لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون احسن عمل کرتا ہے"۔[17]

جب یہ واضح ہو گیا کہ زندگی کی اہمیت عمل کے بغیر کچھ نہیں ہے تو اس کے بعد قرآن کریم انسان کو مختلف طریقوں سے عمل کی اہمیت بیان کرتا ہے تا کہ انسان اپنی زندگی میں

---

[6](الانسان:2)
[7](المومنون:14)
[8](البلد:4)
[9](البقرۃ:155)
[10](آل عمران:186)
[11](الانعام:165)
[12](الملک:2)
[13](البقرۃ:255)
[14](سورۃ محمد:31)
[15](الاعراف:179)
[16](العنکبوت:2)
[17](الکہف:7)

زیادہ سے زیادہ عمل کرے اور اس جہان کی رونق میں مزید اضافہ کرے-

1- مشاہدہ کیلئے مجاہدہ ضروری ہے:

مذہب و فلسفہ دونوں کی جستجو میں ایک سوال مرکزی حیثیت رکھتا ہے کہ غیب کی حقیقتیں جن کو جسمانی حواس سے محسوس نہیں کیا جا سکتا کیا ان کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن مجید اس سوال کا جواب ہاں میں دیتا ہے اور ان غیبی حقیقتوں کے مشاہدے کیلئے ایک شرط عائد کرتا ہے اور وہ شرط عمل ہے- اگر کسی نے ان حقیقتوں کا مشاہدہ کرنا ہے جو قرآن کریم نے بیان کی ہیں تو اس کیلئے قرآن مجید نے عملی طریقے بتائے ہیں- لگن اور اخلاص کے ساتھ ان پر عمل کرتے جائیں اور ان حقیقتوں تک رسائی حاصل کرتے جائیں حتیٰ کہ ایسے محنتی اور عمل پسند انسان سے حقیقت الحقائق یعنی اللہ تعالیٰ بھی پوشیدہ نہیں رہتا اور اپنے ہونے کا مشاہدہ ہر ممکن طریقے سے کرواتا ہے-[18] کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وجود محض ایسا نہیں ہے کہ جسے دلائل سے ثابت کر کے جستجو روک دینی چاہئے بلکہ اس کا وجود تو ایک حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہی اس کی جستجو کی انتہا ہے- قرآن مجید کے اس تحقیقی طریقہ کی مزید وضاحت کیلئے چند مثالیں درج ذیل ہیں-

ا- حضور نبی کریم (ﷺ) کی معراج:

”پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے“-[19]

یہاں قرآن مجید حضور نبی کریم (ﷺ) کے واقعہ معراج کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو عرش پر بلوایا اور تمام غیبی حقیقتوں کا مشاہدہ اور اپنا دیدار کروایا- لیکن یہ مشاہدات و دیدار اس وقت ہوئے جب آپ (ﷺ) مکے کے لوگوں کے بے انتہا ظلم برداشت کر چکے تھے اور یہ واقعہ بالخصوص تب پیش آیا جب آپ (ﷺ) طائف کے لوگوں سے پتھر کھا کر لہولہان ہو کر مکہ واپس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کی نعمت سے سرفراز کیا-

یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کو یہ نعمت ان مصائب کے صلے میں نہیں بلکہ آپ (ﷺ) تو اس سے پہلے بھی اس مقام پر فائز تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) کو اپنے دیدار سے سرفراز کرے مگر ان واقعات میں حضور نبی کریم (ﷺ) کو ایک رہنما کے طور پر پیش کر کے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سکھا رہا ہے کہ مصیبتوں سے گزرنے کے بعد ہی حقیقت نصیب ہوتی ہے-

ب- حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا مردوں کے زندہ ہونے کا مشاہدہ کرنے کی تمنا:

”اور جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب! تو مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ فرمائے گا؟ اللہ نے فرمایا: کیا تجھے (اس حقیقت پر) یقین نہیں ہے؟ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی: یقین کیوں نہیں مگر میں یہ (چاہتا ہوں) کہ میرے دل کو اطمینان آجائے- اللہ نے فرمایا: تو پرندوں میں سے کوئی چار پرندے پکڑ لو پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لو پھر ان سب کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں پکارو تو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے“-[20]

اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اس حقیقت کا مشاہدہ ایسے ہی کرا دیتا مگر اس نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو عمل کا حکم دیا اور عمل بھی ایسا جو کئی مہینوں یا سالوں تک جاری رہا ہوگا کہ پہلے اتنی مشکل سے چار پرندوں کو پکڑنا، پھر ان کو اپنے ساتھ

[18](حم سجدۃ:53)
[19](الاسراء:1)
[20](البقرۃ:260)

مانوس کرنا، پھر ان کو ذبح کر کے چار مختلف پہاڑوں پر ان کے گوشت کے ٹکڑے رکھنا اس کے بعد ان کو اس حقیقت کا مشاہدہ ہوا جس کی طلب میں ان کا دل بے قرار تھا-

2- محشر کے دن اعمال کا وزن ہو گا

ایک شخص کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو اور اپنے خیالات و شعلہ بیانی سے لوگوں پر سحر طاری کیوں نہ کر دیتا ہو مگر قرآن مجید کے نزدیک اس کی کامیابی کا انحصار اس کے اعمال کے وزن پر ہی ہو گا- یعنی جب تک وہ اپنے خیالات کو عمل میں نہیں لائے گا تب تک وہ زندگی کی دوڑ میں شامل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اعمال ہی ہیں جن کی بنیاد پر انسان اچھے یا برے گروہ میں شامل کیے جائیں گے- قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور اس روز (اعمال کا) وزن ہونا برحق ہے تو جن لوگوں کے (اعمال کے) وزن بھاری ہوں گے تو وہ نجات پانے والے ہیں"-[21]

3- قوموں کا عروج و زوال اور عمل:

قرآن کریم نے قوموں کے عروج و زوال کو بھی ان کے اعمال سے جوڑ دیا ہے جیسے کسی قوم کے اعمال ہوں گے ویسے ہی ان کے حالات ہوں گے- کسی بھی قوم کے حالات تب تک خراب نہیں ہوئے جب تک ان کے اعمال میں بگاڑ پیدا نہیں ہوا- اس فلسفہ کو قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے:

"اور خدا ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان کو وہ چیز نہ بتا دے جس سے وہ پرہیز کریں"-[22]

"بے شک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بدلتا کہ کسی قوم کے پاس ہے (ان کی نعمتیں یا اچھے حالات) یہاں تک کہ وہ خود اس کو نہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے (یعنی اچھے اعمال کی جگہ برے اعمال اختیار کر لیں)"-[23]

قرآن مجید میں اس قانون کی کئی تاریخی مثالیں بھی بیان کی گئی ہیں- مثلاً حضرت شعیب (عَلَیْہِ السَّلَام) کی قوم کو ناپ تول میں کمی کرنے کی وجہ سے، حضرت صالح (عَلَیْہِ السَّلَام) کی قوم کو ان کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کی وجہ سے، حضرت لوط (عَلَیْہِ السَّلَام) کی قوم کو مردوں کے آپس میں بدفعلی کرنے کی وجہ سے ہلاک کیا گیا تھا- اسی طرح حضرت یونس (عَلَیْہِ السَّلَام) کی قوم پر جب عذاب آیا تو انہوں نے اللہ سے معافی مانگی تو اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل پسند آیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ٹال دیا-[24] اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک کوئی بھی قوم مسلم یا غیر مسلم اپنے اعمال کی وجہ سے ہی ترقی کرتی ہے اور اپنے اعمال کی ہی وجہ سے زوال کا شکار ہو جاتی ہے-

یہاں بنی اسرائیل کا ذکر خاص طور پر کیا جا سکتا ہے کہ جب انہوں نے حضرت موسیٰ (عَلَیْہِ السَّلَام) سے کہا:

"وہ بولے کہ (اے موسیٰ)! تمہارے آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں دی جاتی رہیں اور آنے کے بعد بھی- موسیٰ (عَلَیْہِ السَّلَام) نے کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے پھر دیکھے کہ (ان کی جگہ) تم کیسے عمل کرتے ہو"-[25]

[21](الاعراف:8)
[22](التوبہ:115)
[23](الرعد:11)
[24](یونس:98)
[25](الاعراف:129)

جب بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات ملی اور ان کو اپنی ریاست بھی واپس مل گئی تو انہوں نے شاید یہ سمجھ لیا کہ ہم چونکہ خدا کے ماننے والے ہیں تو ہم جو چاہے کرتے پھریں اس کا اثر ہمارے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات پر ہرگز نہیں آئے گا- جب وہ ان اعمال سے ہٹ گئے جن کو اختیار کر کے انہوں نے خلافت حاصل کی تھی تو نتیجہ یہ نکلا کہ ان پر ہر طرف سے مصیبت اور ذلت برسنا شروع ہو گئی جس کی وجہ قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے:

”اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز پڑھتے رہنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا تو چند لوگوں کے سوا تم سب (اس وعدے سے) پھر گئے“-[26]

4- عمل اور نیت کا تعلق:

اگر عمل کی بات ہو تو وہاں نیت کی بات بھی لازم ہو جاتی ہے اور اکثر پڑھنے والوں کے ذہن میں یہ سوال ابھر رہا ہو گا کہ اگر سب کچھ عمل ہی ہے تو پھر نیت کی کیا اہمیت ہے کیونکہ عمل تو منافق بھی کرتے تھے مگر ان کو اس عمل کا وہ نتیجہ نہیں ملا جو مومنین کو ملا- تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمل اور نیت ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہیں- عمل نیت کی ہی انتہائی حالت ہے جس کی نیت میں جتنا اخلاص اور عزم ہو گا اس کا عمل اتنا ہی بہترین ہو گا- منافقین کی نیت کا اظہار بھی ان کے اعمال سے ہوا تھا جس کی نشاندہی قرآن کریم نے کئی مقامات پر فرمائی ہے- لہٰذا عمل خود نیت کا اظہار ہے فقط نیت کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ نیتیں تو ہزار کریں اور عمل کرتے ہوئے جی گھبرانے لگے- جس کی نیت میں کھوٹ ہوتا ہے تو اس کا عمل بھی برائے نام ہوتا ہے جس میں انسان کام سے جی چراتا ہے- ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے:

”جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کیلئے اور اللہ تعالیٰ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں“-[27]

5- سستی اور غم سے پرہیز:

جب انسان میں زندگی گزارنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں عملی تحرک بھی پیدا ہو جاتا ہے تو بظاہر انسان عمل کے جذبے سے سرشار ہو کر کسی شے کو حاصل کرنے کیلئے دن رات محنت کرتا ہے- مثلاً ایک کاروباری اپنے کاروبار میں، ایک طالب علم اپنے امتحانات میں، ایک سیاستدان اپنی سیاست میں، ایک خدا کا متلاشی اس کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہونے کیلئے کوشش کرتا ہے مگر اتنی محنت کے باوجود اسے کامیابی نہیں ہوتی تو اکثر اس پہ مایوسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے- لیکن اس موقع پہ بھی قرآن کریم اسے مایوسی سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور عمل کو کسی صورت ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یوں ارشاد فرماتا ہے:

”اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو“-[28]

پہلی نصیحت یہ ہے کہ عمل کو ترک مت کرو بلکہ عمل جاری رکھو مگر جو پہلے اتنی کوشش کی ہے اس کا غم انسان کو کھائے جا رہا ہوتا ہے اس لیے فوراً فرمایا کہ جو ہو گیا ہے اس کا غم مت کرو بلکہ یقین کے ساتھ مسلسل محنت کرو گے تو تمہیں کامیابی ضرور ملے گی- بلکہ جو محنت کی ہے وہ بھی ضائع نہیں ہو گی- قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

[26](البقرۃ:83)
[27](النساء:142)
[28](آل عمران:139)

''تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے مرد ہو یا عورت کے عمل کو ضائع نہیں کرتا''۔[29]

''تو جس نے ذرہ بھر بھی اچھا عمل کیا ہو گا وہ اس کو دیکھ لے گا''۔[30]

اس موقع پر قرآن کریم ماضی سے ایسے واقعات سامنے لاتا ہے تا کہ انسان کو یقین ہو کہ میں پہلا شخص نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بھی لوگوں پر ایسے حالات گزر چکے ہیں۔

''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں۔ ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (مصیبتوں میں) ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ کب خدا کی مدد آئے گی؟''[31]

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں حضرت یوسف اور حضرت ایوب (علیہما السلام) کا ذکر بالخصوص اس لیے کیا گیا ہے تا کہ اس کے پڑھنے والے مشکلات میں گھبرا کر عمل نہ ترک کر دیں کیونکہ ہر مشکل کے ساتھ ضرور آسانی ہے جس کو قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے:

''تو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے''۔[32]

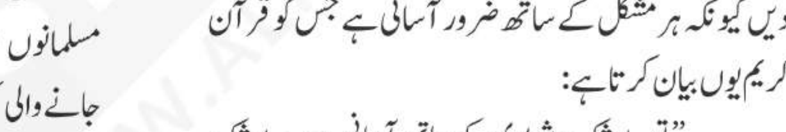

بلکہ جب ایک مرتبہ رسولِ کریم (ﷺ) پر کافی عرصے تک وحی نازل نہ ہوئی تو آپ (ﷺ) پر بھی حزن کی کیفیت طاری ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان تسلی بخش الفاظ سے آپ (ﷺ) کا حوصلہ بلند فرمایا:

''چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے۔ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ ناپسند کیا۔ اور بیشک آپ کے لئے ہر پچھلی گھڑی پہلی سے بہتر ہے اور بیشک قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ کیا اس نے آپ کو یتیم نہ پایا پھر جگہ دی۔ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا''۔[33]

اختتامیہ:

آج اگر ہم اپنے ارد گرد نگاہ دوڑائیں تو زندگی کے ہر دوسرے شعبے میں مسلمان ناکامی کا شکار ہیں۔ تعلیم کا میدان ہو، معیشت ہو، نئی نئی ایجادات کی دوڑ ہو، اخلاقی اقدار ہوں، معاشرتی مسائل ہوں یا زندگی کے دوسرے جتنے بھی ہوں مسلمانوں کی حالت دگرگوں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ مسلمانوں اور بالخصوص پاکستانیوں میں مجموعی طور پر پائی جانے والی سستی اور محنت نہ کرنے کی عادت ہے۔ جبکہ قرآن کریم کا نہ صرف مسلمان سے بلکہ ہر اس شخص سے جو اس کا مطالعہ کرتا ہے یہ تقاضا ہے کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں سخت محنت اور مسلسل عمل سے کام لے۔ جس طرح حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنی محنت اور صلاحیتوں سے سلطنت مصر کو قحط کی تباہی سے بچا کر خوشحالی کی راہ پر گامزن کر دیا، اسی طرح قرآن کریم کو اپنی زندگی کا دستور سمجھنے والا شخص جہاں بھی جائے گا اپنی محنت اور لگن سے شعبے یا ادارے کو دیکھتے ہی دیکھتے ترقی کی بلندیوں تک لے جائے گا۔

☆☆☆

[29](آل عمران:195) [30](الزلزال:7) [31](البقرۃ:214) [32](الشرح:5-6) [33](الضحیٰ:1-8)

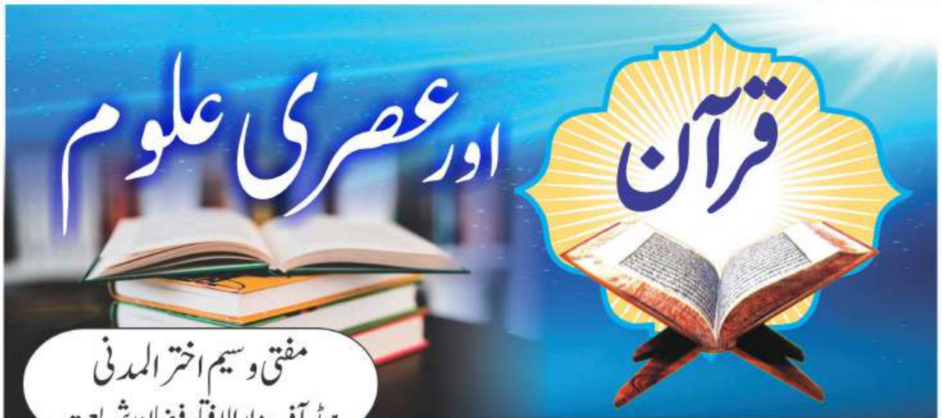

قرآن اور عصری علوم

مفتی وسیم اختر المدنی
ہیڈ آف دارالافتاء فیضانِ شریعت

قرآن اور سائنس:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ایک محکم و مستند کتاب ہے، اس کے من عند اللہ ہونے میں ذرہ برابر شبہ کی گنجائش نہیں، آج بھی اس کا ایک ایک حرف اپنی اصلی حالت پر بر قرار ہے اور جس طرح اس کے الفاظ اپنی اصلی حالت پر ہیں ویسے ہی اس کے معانی میں بھی کسی طرح کی تبدیلی یا ردوبدل ممکن نہیں- اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب انسانوں کی ہدایت کیلئے نازل فرمائی اور اس کا اصل موضوع انسان ہے-چونکہ انسان کے دائرہ کار میں ایسے علوم وفنون بھی شامل ہیں، جن کی انسان کو ضرورت ہے اور وہ اس سے اپنا اشتغال رکھتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے جگہ جگہ ایسی چیزوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، لیکن اس کا تذکرہ اسی مفہوم میں ہے کہ انسان اصل تو قرآن کریم کو قرار دے اور دوسرے علوم کو اس پر پرکھے اور جانچے- اگر وہ اس کے مطابق ہے تو درست قرار دے اور اگر ان کے خلاف ہے تو قرآن کریم کی تاویل وتوجیہ کے بجائے ان علوم وفنون کو غلط سمجھے اور اس کی از سرنو تحقیق کرے، قرآن کریم کو چھوڑ کر دوسرے علوم یا دوسری چیزوں کے ذریعہ راہ راست کی تلاش کرنا سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں-

ڈاکٹر آرتھر ایلیسن جب اپنے علمی و تحقیقی کام کے دوران قرآن کریم کی اس آیت:

"اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ"[1]

"اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انہیں ان کے سوتے میں پھر جس پر موت کا حکم فرمادیا اُسے روک رکھتا ہے اور دوسری ایک میعاد مقرر تک چھوڑ دیتا ہے بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لیے-

تک پہنچے تو ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی اور کہنے لگے کہ جس موضوع پر میں سالہا سال سے عرق ریزی کر رہا ہوں، قرآن کریم نے اس سے متعلق حقائق اپنے حسین اور دلکش پیرائے میں بہت عرصہ قبل بیان کر دیے ہیں-

ان کے تحقیقی کام کا موضوع تھا "موت اور نیند کا قریبی تعلق"، انہوں نے اس موضوع سے متعلق انسانی دماغ پر عصر حاضر کی جدید مشینوں اور برقی آلات سے تجربات کئے اور اس دوران دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کا مطالعہ کیا-لیکن جب قرآن کریم کی اس آیت پر ان کی نظر پڑی اور اپنے تجربات کے نتائج کو جب قرآن کریم کی روشنی میں دیکھا تو بے حد متاثر ہوئے اور یہ ان کے ڈاکٹر آرتھر ایلیس سے ڈاکٹر عبد اللہ بنے کا ذریعہ بن گئی- گویا قرآن کریم ان کی اپنی ریسرچ کا گواہ اور عینی شاہد بن گیا، جس تحقیق پر انہوں نے برسہابرس کام کیا-

انہوں نے اپنی اس تحقیق کو ان الفاظ میں پیش کیا:

"ہم سائنسی تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جب کوئی شخص سو جاتا ہے تو کوئی چیز اس کے جسم سے نکل جاتی ہے اور جب واپس آجاتی ہے تو وہ بیدار ہو جاتا ہے اور جب وہ نہیں آتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے"-

یہی وہ نکات ہیں جو قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ بیان کئے ہیں-انہوں نے زور دیا کہ مغربی دانشوروں اور سائنس دانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن اور اسلام کو طبی اور سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھیں-انہوں نے مغربی سائنس دانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اسلام کی عالمگیر صداقتوں پر ایمان لے آئیں، جو عقل وفکر، استدلال اور ذہانت کا سبق دینے کے ساتھ

[1](الزمر:42)

ساتھ جذبات کی تسکین اور روحانی تشنگی کو دور کرنے کا ایک ذریعہ بھی فراہم کرتا ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ قرآن سائنس کو رد نہیں کرتا؛ بلکہ اس کی تائید و توثیق کرتا ہے اور یہ کہ اگر کہیں گاہے بگاہے ایسا شائبہ بھی آجائے تو وہ سائنس کے ناقص ہونے کی دلیل ہے اور اس مخصوص شعبہ میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔مگر قرآن کریم کی آفاقی عظمت اور بزرگی بہر حال مسلم ہے۔[2]

قرآن اور سماجی زندگی:

انسان کو سماجی حیوان کہا جاتا ہے، وہ درندوں اور دیگر اکثر حیوانوں کی طرح اکیلا زندگی نہیں گزار سکتا اور نہ ایسی زندگی اس کو پسند ہے۔اس کو اپنی زندگی کا لطف اُٹھانے، اس سے استفادہ کرنے اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنے کیلئے سماج یا معاشرہ کا ہونا ضروری ہے۔

قدیم سے قدیم تاریخ کے مطالعہ میں، پرانی سے پرانی تہذیبوں کی تحقیق میں، جنگلوں اور دور دراز کے علاقوں میں آباد انسانوں میں بھی ایسے انسان کا پتہ نہیں چلا جو صرف اکیلی اور انفرادی زندگی گزارتے رہے ہوں، انسان کا اس زمین پر وجود انسان کی حیثیت اور شکل میں انسانی فطرت اور شعور کے ساتھ ہوا، وہ کسی حیوان سے ارتقاء پائی مخلوق نہیں ہے۔[3]

اس کرۂ ارض پر اس کی زندگی کا آغاز سماجی زندگی سے ہوا، آدم اور حوا کی صورتوں میں بہشت سے انسانوں کو زمین پر اتارا گیا جن سے خاندان وجود میں آیا۔ سماج اور معاشرے بنے، زمانے کے گزرنے کے ساتھ قومیں اور قبیلے وجود میں آئے، علاقہ رنگ و نسل اور زبان کی بنیاد پر انسانوں کے مختلف سماج وجود میں آئے، حقیقت یہ ہے کہ انسان اور سماج ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔انسان سماج کو بناتا اور بگاڑتا ہے اور سماج بھی اپنے افراد کے مزاج، جذبات و احساسات اور عادتوں کے بنانے اور بگاڑنے میں اپنا حصہ ادا کرتا ہے، تاریخ کے دھارے کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ سماجوں میں تبدیلی آئی ہے، شکست وریخت بھی ہوتی رہتی ہے، آپس میں تصادم بھی ہوتا ہے، کمزور سماج رفتہ رفتہ اپنا وجود کھو دیتے ہیں، طاقتور سماج کمزور سماجوں کو ضم کر لیتے ہیں اور نئے سماج وجود میں آتے ہیں۔

خاندان ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان اس تعلق سے وجود میں آتا ہے، جس کا مقصد نسل انسانی کا تسلسل ہے، اس جنس کے تعلق کے علاوہ معاشرے کی تشکیل تعمیر اور ترقی میں ان دونوں کا کردار بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

یہاں آکر عورت کے مقام اور مؤقف کا سوال پیدا ہوتا ہے، معاشرہ کی تعمیر و ترقی میں عورت ایک کردار ادا کر سکتی ہے اور وہ معاشرہ میں بگاڑ اور دنیا میں خوں ریزی اور طرح طرح کے فتنوں کا سبب بھی بن سکتی ہے۔عورت کے تعلق سے اسلام کی آمد سے پہلے دنیا میں جو تصورات تھے ان میں اس کو انسان کی حیثیت سے گرا دیا گیا تھا، عیسائی دنیا میں اس کو گناہ پر ابھارنے والی مخلوق سمجھا جاتا ہے، ایک عرصہ تک عیسائی مذہبی حلقوں میں یہ بحث چلتی رہی کہ کیا عورت کے اندر روح بھی ہے؟ رومن لاء کے تحت جو عیسائی یورپ میں رائج رہا ہے چند سو برس پہلے تک عورت کو انسانی درجہ سے کمتر جانوروں کے درجہ کے برابر قرار دیا جاتا تھا۔ہندوستان میں گندی مخلوق سمجھا جاتا تھا، ایک بھائی کی بیوی پر دوسرے بھائیوں کے حق کو تسلیم کرکے لاولدی کی صورت میں ''نیوگ'' کی اجازت دے کر شرم وحیا کے دامن کو تار تار کر دیا گیا تھا۔ایران میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی، عالم عرب میں بھی عورت کی حیثیت اچھی نہیں تھی۔

اسلام نے عورتوں کی انسانیت کا اعلان کیا، انسان چاہے مرد ہو یا عورت دونوں آدم اور بی بی حوا کی اولاد ہیں۔دونوں کے انسان ہونے اور بحیثیت انسان ان کے حقوق اور فرائض میں کوئی فرق نہیں ہے۔دونوں پر یکساں طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کی ذمہ داری ہے اور دونوں کو اس کا اجر ملے گا۔[4]

سورۃ الروم کی آیت 31 میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا کہ عورتیں بھی مکمل انسان ہیں، ان میں بھی روح ہے ان

[2](اسرار حیات مؤلفہ رضوان قاسمی)
[3](دیکھیں سورۃ النساء:1)
[4](دیکھیں سورۃ آل عمران:195)

میں بھی اچھے اور برے کے فرق کو سمجھنے کی صلاحیت ہے، ان کے بھی حقوق ہیں اور ان پر ذمہ داریاں بھی ہیں، جن کو پورا کرنے کی وہ پابند ہیں- اس آیت میں جوڑے بنانے کا مقصد بھی بتادیا گیا کہ وہ ایک دوسرے سے تسکین حاصل کریں، یہ صرف جنس جذبہ و خواہش کی تسکین نہیں ہے یہ گھریلو اور خاندانی زندگی کا سکون ہے جو ایک دوسرے کی خواہش کے احترام اور ایک دوسرے پر اعتماد سے پیدا ہوتا ہے- یہی سکون ہے جو دوسری سماجی اور معاشی ذمہ داریوں سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہونے اور پر عزم طریقہ پر کشاکش زندگی میں حصہ لینے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے اور اگر یہ تسکین اور سکون نہ ہو تو زندگی کے دوسرے میدانوں میں صلاحیت کارِ انتشار اور خلفشار کا شکار ہو جاتی ہے اور یہ انتشار ہمت، صلاحیت اور کارکردگی کو متاثر کرتا ہے- اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اس نے شوہر و بیوی کے درمیان آپسی تسکین کا سامان پیدا کرنے کیلئے دونوں کے درمیان ایک دوسرے کیلئے محبت ڈال دی اور ایک دوسرے کے تعلق سے رحم کا جذبہ پیدا فرمایا- اس بات کو نظر انداز نہ کیا جائے کہ لفظ رحم کے وسیع معنوں میں ایک دوسرے کو برداشت کرنا بھی شامل ہے، جس کیلئے اردو لفظ نباہ کرنا بہت موزوں معلوم ہوتا ہے- شب و روز کی زندگی میں ایسے مواقع آتے ہیں جبکہ ایک کا طرز عمل و رویہ دوسرے کو پسند نہ ہو، اگر طرز عمل اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو تو ایسی صورت میں اپنی ناپسندیدگی پر اصرار نہ کرنا اور اس کو تلخی میں نہ بدلنا یہ بھی رحم ہے جو دونوں میں ایک دوسرے کے تعلق سے ہونا چاہئے- قرآن کریم نے اس آیت میں انسانوں کے ہاتھ میں وہ شاہ کلید تھمادی ہے، جس سے خوشگوار، ہم آہنگ پر سکون خاندانی زندگی کا دروازہ کھل جاتا ہے-

قرآن اور سیاست:

قرآن مجید اپنی ترتیب، نفس مضمون اور اسلوب بیان کے اعتبار سے ایک منفرد کتاب ہے- یہ اس مفہوم میں محض قانون یا آئین کی کتاب نہیں ہے، جس طرح کہ قانون کی کتابیں عدالتوں میں ہوتی ہیں- اگرچہ قرآن کریم میں قانون کے بہت سے احکام وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں، قرآن مجید محض فلسفہ کی کتاب بھی نہیں ہے، لیکن اس میں فلسفیانہ نوعیت کی بہت ہدایات بھی ہیں، قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے ہر اس پہلو سے متعلق ہدایات موجود ہیں جہاں انسانی عقل، تجربہ اور مشاہدہ ناکام ہو جاتے ہیں اور جہاں انسان رہنمائی کی ضرورت محسوس کرتا ہے- اس لئے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں انسان کو رہنمائی اور ہدایت کی ضرورت ہو اور قرآن مجید اس میں رہنمائی نہ کرتا ہو-

قرآن کریم نے اس امت کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بھی صورت گری کی ہے اور اسے باقی انسانیت کیلئے خیر و فلاح کا علمبردار بنایا ہے، یہی وہ چیز ہے جس نے عرب کے اونٹوں کے چرانے والوں کو انسانیت کا حدی خواں بنا دیا، جس نے ریگستان کے بدوؤں کو تہذیب و تمدن کا معمار بنا دیا، اس قرآن کو لے کر مفلسوں اور فاقہ کشوں میں سے وہ لوگ اُٹھے جو انسانیت کے رہبر بنے، جنہوں نے وہ نظام قائم کیا جس کو دیکھنے کیلئے دنیا قیامت تک ترستی رہے گی-

قرآن مجید دنیا میں کس کس قسم کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے اور اس کا پسندیدہ معاشرہ کونسا ہے- اس کے تعلق سے قرآن مجید کی متعدد آیات انسانوں کی رہنمائی کرتی ہیں، یہاں ان سب کا تفصیلی ذکر ممکن نہیں ہے، ہم صرف اس امر کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید رہتی دنیا تک کیلئے واحد عالمگیر اور دائمی نظام ''اسلام'' کی شکل میں دنیا کو دیا ہے، اس کے سوا کوئی اور نظام اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں، قرآنی آیات جو جابجا اس بات کو دہراتی ہیں، قرآن مجید کا یہ واضح اعلان ہے کہ:

"اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ "[5]

''یعنی بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے''-

اس لئے کوئی بھی نظام اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہیں قرار دیا جاسکتا، جب تک وہ اسلام کے اعتقادی تصور پر مبنی نہ ہو، قرآن کریم کے تصورات میں سب سے اہم تصور یہ ہے کہ اس نظام کے چلانے والے اللہ تعالیٰ کی

[5](بنی اسرائیل:9)

الوہیت اور آقائیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور خود اپنے لئے قانون سازی اور نظام زندگی وضع کرنے کے اختیارات کے دعوے سے دستبردار ہو جائیں؛ کیونکہ یہ حق صرف خدا کیلئے مخصوص ہے:

"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ"[6] "یعنی حکم نہیں مگر اللہ کا"۔

اس قاعدے کی رو سے اسلامی نظام حکومت بنیادی طور پر انسانوں کے بنائے ہوئے سارے نظاموں سے مختلف ہے، خواہ یہ نظام حکومت کیلئے وضع کئے گئے ہوں یا پوری انسانی زندگی کیلئے-ذات واحد کی الوہیت اور حاکمیت تسلیم کرنے کے بعد قرآن نظام حکومت کو چلانے کیلئے ان اصولوں پر عمل آوری کو ناگزیر قرار دیتا ہے جس کے ذریعہ سے معاملات زندگی اور انسانوں کے باہمی تعلقات میں توازن پیدا ہو سکتا ہے-حکام کی جانب سے عدل محکومین کی جانب سے اطاعت اور حاکم اور محکوم کے درمیان مشاورت پر قرآن نے کافی زور دیا ہے-[7]

حکمرانی کا حق جہاں صرف اللہ کا حق ہے، وہیں قرآن مجید نے محکومین کو صاحب امر کی اطاعت کی تاکید کی ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ"[8]

"یعنی اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں"۔

اس آیت میں اللہ، رسول اور اولی الامر کو ایک ساتھ جمع کرنا اس اطاعت کی حدود اور اس کے مزاج کی تشریح و توضیح کا کام کرتا ہے-معلوم ہوا کہ صاحب امر کی اطاعت اس کی ذات کی خاطر نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کی اطاعت اس لئے کی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اس کے اقتدار کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی شریعت کا پاسبان بن کر رہتا ہے- یہ حق کہ اس کی اطاعت کی جائے اسے خدائے واحد کی حاکمیت کے اعتراف اور اس کی شریعت کی نفاذ سے حاصل ہوتا ہے-اب اگر وہ اس اعتراف یا نفاذ سے پہلو تہی کرے تو اس کی اطاعت کا حق ساقط ہو جائے گا-

قرآن مجید نے حکام اور محکومین کے مابین مشاورت کی بھی تاکید کی:

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ"[9]

"یعنی اے محبوب کاموں میں ان سے مشورہ لو"۔

سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہوا:

"وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ"[10]

"ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے"۔

اس طرح شوریٰ اسلام میں طرز زندگی کا ایک بنیادی اصول قرار پاتی ہے-اس کا دائرہ اثر حکومت سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ جیسا کہ آیت بتاتی ہے کہ یہ امت مسلمہ کی زندگی کا اصول ہے، مشاورت کسی نوعیت اور کسی مرحلے پر کی جائے اس کیلئے کوئی لگا بندھا ضابطہ قرآن مجید نے مقرر نہیں کیا ہے-احوال و ظروف اور ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر عمل کیا جاتا رہا ہے، چنانچہ رسول اکرم (ﷺ) مسلمانوں سے مشورہ کرتے تھے اور ان کے دینوی معاملات سے جن سے وہ بخوبی واقف ہوتے تھے ان ہی کی رائے پر عمل فرماتے تھے-مثلاً میدان جنگ اور اُمور جنگ کے متعلق حضور اکرم (ﷺ) نے صحابہ سے مشورہ کیا، غزوہ بدر میں آپ (ﷺ) نے صحابہ کی رائے قبول کی اور چشمہ بدر پر آکر ڈیرے ڈالے؛ حالانکہ اس سے قبل آپ (ﷺ) اس سے کچھ دور پہلے ہی پڑاؤ کر چکے تھے-اسی طرح آپ (ﷺ) نے خندق کھودنے کے معاملے میں صحابہ کی رائے قبول کی، خلفاء راشدین بھی مسلمانوں سے مشورہ کی ہی پالیسی اختیار کئے تھے-

اہلِ منطق سر بہ سجدہ رہ گئے
پڑھ لیا جب فلسفہ قرآن کا

☆☆☆

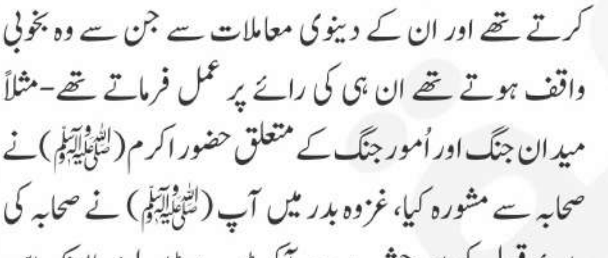

[6](یوسف:40) [8](النساء:59) [9](آل عمران:159)

[7](دیکھیں سورۃ النحل:9، سورۃ النساء:58، سورۃ المائدۃ:8) [10](الشوریٰ:38)

تعلیماتِ قرآن میں فنونِ لطیفہ کا انعکاس اور مسلم تہذیب کا مختصر مطالعہ

ڈاکٹر فیاض احمد شاہین

قرآن مجید ایک کامل و اکمل اور جامع مقدس کتاب ہے، جس میں ہر خشک و تر کا بیان ہے- یہ لاریب کتاب نہ صرف انسانی اذہان کو منتہائے کمال پر پہنچنے کے بعد قوتِ فیصلہ سازی عطا کرتی ہے بلکہ جب یہ اُکتاہٹ کا شکار ہوتا ہے تو اس کے مزاج میں تبدیلی اور احساس کو تر و تازہ کرنے کے لئے جمالیاتی ذوق کی تسکین کیلئے بھی وسعت رکھتی ہے- قرآن مجید ہماری زندگی میں توازن اور اعتدال لانا چاہتی ہے- جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور حضرت لقمان (علیہ السلام) کی چند نصائح میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ چال میں میانہ روی اختیار کرو- اس کا مطلب صرف چلن کی میانہ روی نہیں بلکہ مجموعی اعتبار سے درسِ اعتدال پسندی دیا جا رہا ہے- درحقیقت یہی معتدل رویہ زندگی کو حسین بناتا ہے-

فنونِ لطیفہ:

اہل عرب ہنر کے لیے فن کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور فنون لطیفہ کو "الفنون الجمیلہ" کہتے ہیں اور انگریزی میں اس کیلیے 'ART' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو پہلے صرف نقاشی کیلیے استعمال ہوتا تھا، مصوری، شعر و شاعری، رقص اور موسیقی وغیرہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے- فن یا ہنر کی تخلیق لفظوں سے بھی ہوتی ہے، قلم سے بھی، مو قلم سے بھی، ساز سے بھی اور حرکاتِ جسم سے بھی- فن نازک احساسات سے تخلیق پاتا ہے- فن کار اپنے فن کے ذریعہ سے حسن و جمال، خیر، نیکی، حق، صداقت اور عشق و محبت کی ابدی اقدار کو پیش کرنے کی سعی کرتا ہے- مصور عالم لاہوت زمین پر لے آتا ہے، موسیقار غیر محسوس اور غیر محدود کو حسیات میں محدود کر دیتا ہے لیکن شاعر فطرت گویا تمام فنون کا خلاصہ بلکہ جوہر ہے-

فن کا لفظ عربی زبان کا ہے اور اس کے معنی ہنر اور کاری گری کے ہیں جبکہ فنون فن کی جمع ہے- لطیفہ کے معنی حسین، جمیل، خوبصورت، اچھی چیز، انوکھا، نرالی کسی بھی اچھی خوبی، عمدگی، عروج اور کمال کو فنون لطیفہ کے طور پر کہا، پڑھا اور لکھا جاتا ہے جو اس کی پہچان یا شناخت ہوتی ہے کہ یہ چیز دلچسپ، انوکھی، عجیب اور محظوظ ہونے کا ذریعہ ہے- وہ فنون جو انسان کے محسوسات کے لیے حظ اور تسکین کا سامان فراہم کریں، فنون لطیفہ کہلاتے ہیں- شعر و ادب، ساز و سرود، تمثیل اور لہو و لہب سے متعلق تمام فنون، فنونِ لطیفہ ہیں- یہ بات بالکل حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کے دلکش اور لطیف احساسات اور جمالیاتی کمالات کو فنون لطیفہ کہتے ہیں- دراصل معانی و مطالب کے اعتبار سے جو شے جتنی آرندۂ حسن و جمال ہو گی حقیقی طور پر بھی وہ شے اتنی ہی قربِ حسن و جمال رکھتی ہو گی- اسی لیے اسلام نے حسن و جمال اور فن و کمال کا معیار پاکیزگی متعین کیا ہے- کسی بھی جمیل شے کو پرکھنے، چھاننے اور چھانٹنے کے بعد اسے جمالیات کے مقام و مرتبہ پر فائز کیا- یوں کہیے کہ اسلام کی نظریں کسی چیز کے عیاں پہلوؤں تک ہی موقوف نہیں بلکہ اس کے پوشیدہ اور اصلی حقائق کو بھی آشکار

کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام میں ہمارا ایمان ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے اقرار سے تشکیل پاتا ہے۔

احساسِ حسن و جمال اور خیال آفرینی در حقیقت اساسِ فنِ لطافت ہے۔ قرآن کریم ہمیں اشیاء کے حسن و جمال کی طرف بار بار متوجہ کرتا ہے۔ جہاں ہم اشیاء کے مادی پہلوؤں سے استفادہ حاصل کرتے ہیں وہاں ہمیں ان کے جمالیاتی پہلوؤں سے بھی مستفید ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی لاریب کتاب میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ "[1]

"فرمادیجئے: اللہ کی اس زینت (و آرائش) کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہے اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے)؟ فرمادیجئے: یہ (سب نعمتیں جو) اہلِ ایمان کی دنیا کی زندگی میں (بالعموم روا) ہیں قیامت کے دن بالخصوص (انہی کے لئے) ہوں گی"۔

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۔ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ "[2]

"سدا بہار باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اِن میں اُن کے لئے جو کچھ وہ چاہیں گے (میسّر) ہو گا، اس طرح اللہ پرہیز گاروں کو صلہ عطا فرماتا ہے۔ جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (نیکی و طاعت کے باعث) پاکیزہ اور خوش و خرم ہوں، (ان سے فرشتے قبضِ روح کے وقت ہی کہہ دیتے ہیں:) تم پر سلامتی ہو، تم جنت میں داخل ہو جاؤ ان (اَعمالِ صالحہ) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے"۔

جب کہ حدیث نبوی (ﷺ) ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ"

"اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے"۔

قرآن کریم و احادیث مبارکہ جا بجا حسنِ کائنات کے قدرتی مناظر بیان کرتے ہیں۔ جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ یہ بات قابلِ فہم ہے کہ جس احساسِ حسن و جمال کی دعوت خود قرآن کریم و احادیث مبارکہ میں دی گئی ہو اس کے جذبوں کے اظہار کو دین کیسے منع کر سکتا ہے۔ چاہے اس کا تعلق نظم سے ہو یا نثر سے، مقامات کی بنا سے ہو یا قصہ گوئی سے ہو یا رزمیہ شاعری سے ہو۔ چنانچہ آپ (ﷺ) کا حضرت حسان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) سے نعت کا سننا اور اسے پسند فرمانا، حضرت کعب بن زہیر (رضی اللہ عنہ) کا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" کا سننا اور اسی طرح نابغہ جعدی کا سننا اور سراہنا، کس بات کی طرف دلالت کرتا ہے؟

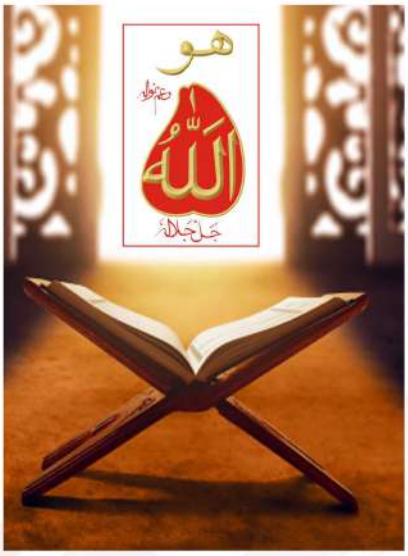

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی تعلیم بھی دیکھئے، فرماتے ہیں کہ اپنے دلوں کو وقفہ وقفہ سے راحت پہنچایا کرو اس لئے کہ دلوں کو جب مجبور کیا جائے تو وہ اندھے ہو جاتے ہیں، جس طرح بدن اکتا جاتا ہے اسی طرح دل بھی اکتا جاتے ہیں۔ اس لئے دلوں کے لئے خوش کن باتیں تلاش کیا کرو۔

ہمارا دین اس بات کی نفی کرتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو خواہشاتِ نفس کے حوالے کر دے اور اس بات کی بھی پُر زور مذمت کرتا ہے کہ لہو و لعب کے سوا اس کی زندگی میں کچھ نظر ہی نہ آئے اور جائز و ناجائز کی تمیز ہی بھول بیٹھے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی ہر گز نہ لیا جائے کہ دنیاوی نعمتوں سے

[1] (الاعراف:32)
[2] (النحل:31-32)

کنارہ کشی کر بیٹھے-اسلام اپنے معاشرے میں لوگوں کے چہروں پر خوشیاں اور مسکراہٹیں بکھیرنا چاہتا ہے مگر جائز حدود کے ساتھ بلکہ زندہ دلی کے ساتھ، ذوق و شوق اور خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی بارگاہ میں بلاتا ہے جس سے انسان خود لطف پاتا ہے اور اس کی لذت سے جھوم اُٹھتا ہے-

بزبانِ شاعر:

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

پژمردگی جب پردۂ دل پر حائل ہو گی تو کیسے ممکن ہے کہ دل لذتِ آشنائی پا سکے اور وہ رموز جو لطافت، شرافت، حلم، ادب و معرفت میں مضمر ہوں، ان کو پا سکے-

اسی طرح اک خیالِ احباب ہے کہ اسلام جو معاشرہ تشکیل دیتا ہے اس میں ہنسنے اور مسکرانے کی گنجائش نہیں، کھیل کود سے کوئی علاقہ نہیں اور شادماں و شادکام ہونا ممنوع ہے اور یہ معاشرہ محض عبادت و ریاضت کرنے والوں کا معاشرہ ہے-یہ درست ہے کہ:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
مگر طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

مگر کیا دین خوش طبعی و خوش اخلاقی کو منع فرماتا ہے کہ صاحب منہ بسورے بیٹھے ہیں، تیوری چڑھائے بیٹھے ہیں، زہد و تقویٰ پر اندازِ رعونت اختیار کرتے ہوئے ترش روی کا مظاہرہ کرتے ہیں-ناکامی، مایوسی، پیچیدگی اور نفسیاتی اسباب و علل یا اس کی دعوتِ فکر بھی تو درست نہیں-ذرا ادھر بھی اندازِ کرم ہو کہ خوش خُلقی بھی تو باعثِ کشش ہوا کرتی ہے، معاونِ دعوتِ فکر ہوا کرتی ہے-انقباضِ طبیعت حضرتِ انساں کو مجبور کرتا ہے کہ من پسند نصوص کو منتخباتِ دین سمجھ بیٹھے اور عدم ملاطفت کو خارج از دین سمجھ بیٹھے-صد حیف جیسا کہ خواجہ فرید (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

ملاں نہیں کہیں کار دے
شیوے نہ جانڑن یار دے

ضمنی طور پر عرض ہے کہ صوفیہ کا جو اندازِ فکر رہا وہ فنونِ لطیفہ کی ترویج و اشاعت کے لئے نہ صرف ممد و ممادرہا بلکہ میں سمجھتا ہوں مرکزِ اشاعت رہا، معروف صوفیائے کرام جو اپنے دور کے جید فارغ التحصیل علماء بھی تھے، ان کا اندازِ تبلیغ دیکھیں تو وہ عبادت و ریاضت کے ساتھ شاعری، سماع، بیت گوئی اور کیفیتِ وجد میں جھوم جانے کو تصوف کا حصہ

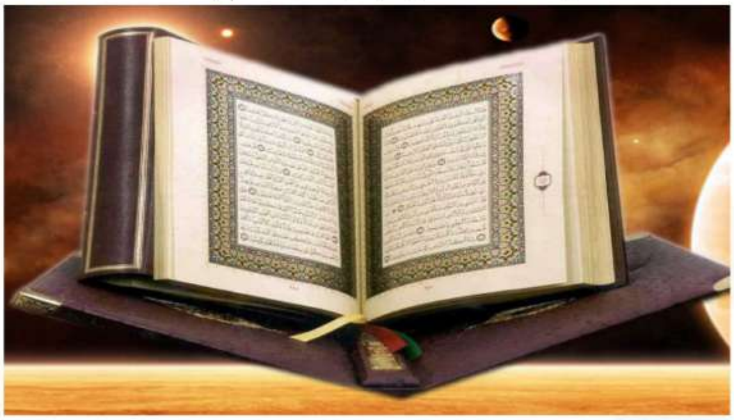

سمجھتے تھے اور فنونِ لطیفہ کو اپنی صوفیانہ فکر کے اظہار کا ذریعہ سمجھتے تھے-

اسلام نغمہ، طنز و مزاح اور کھیل کود سے منع نہیں کرتا بلکہ اسے جائز قرار دیتا ہے جس کے ضرورت مند فرد اور جماعت دونوں ہوتے ہیں-اگرچہ اس کا مقصد صرف تفریح، دل بہلانا اور ہنسنا ہی کیوں نہ ہو بلکہ بعض کھیل ایسے ہیں جن پر اسلام ابھارتا ہے جیسے جسمانی ورزش والے کھیل یا فنون حرب والے کھیل جس سے جسم کو قوی بنایا جاتا ہے، مہارت حاصل کی جاتی ہے اور صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جاتا ہے-

حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) اور ان کے بعد کے لوگ ہنسی مزاح کرتے تھے اور کسی نے بھی اسے بُرا نہیں سمجھا-

ابن ابی شیبہ، ابی سلمہ بن عبد الرحمٰنؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

”صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) منقبض طبیعت کے لوگ نہیں تھے اور نہ ان کے اوپر مردنی ہی چھائی رہتی تھی، وہ اشعار کہتے تھے اور جاہلیت کی باتوں کا تذکرہ کرتے تھے، لیکن ان میں سے اگر کوئی شخص کسی کے دینی پہلو کا مذاق بنانا

چاہتا تو اس کو لوگ اس طرح گھورتے جیسے کہ وہ کوئی دیوانہ یا پاگل ہو"۔

سیدنا داؤد (علیہ السلام) نہایت خوش الحان تھے اور ساز و سرود کے ذریعے سے اللہ کی حمد و ثنا کرتے تھے۔ آپ پر نازل ہونے والی کتاب "زبور" اُن الہامی گیتوں کا مجموعہ ہے جو آپ نے بربط پر گائے تھے۔

اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"قریش کی ہجو کرو، ہجو ان کے لیے تیر پھینکنے سے بڑھ کر ہے"۔

حضرت ابو کعب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ مِنَ الشِّعرِ حِکمَۃٌ"

"بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں"۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے شاعری بالدف سماع کے بھی نظائر ملتے ہیں جسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے متعدد مرتبہ سماعت کیا ہے اور دف کے ساتھ بھی شاعری پسند فرمائی ہے اور ان کے لیے دعا کی ہے۔ جیسا کہ معروف روایت ہے کہ حضرت سعد (رضی اللہ عنہ) کو اور حضرت حسان (رضی اللہ عنہ) کو آپ نے دعا دیتے ہوئے فرمایا "میرے ماں باپ تم پر قربان"۔

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی مقام سے گزر رہے تھے کہ دیکھا چند لڑکیاں بیٹھی دف بجا رہی ہیں اور یہ اشعار گا رہی ہیں:

"ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں کتنی خوش نصیب ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے پڑوسی ہیں۔ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "اللہ خوب جانتا ہے کہ مجھے تم کتنی عزیز ہو"۔

ہم خیرِ امت سے موسوم ہیں۔ اس لئے ہر شعبۂ زندگی میں فضیلت نظر آنی چاہیئے۔ اس ملتِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہر میدان میں برتر و افضل ہونا بنتا ہے۔ اس لئے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ فنونِ لطیفہ کے افق پر بھی بہت سے ستارے جگمگائے گئے جن کی ضو فشانی سے عالم فیضیاب ہوتا رہا اور انہیں نشانِ منزل اور زینۂ ترقی سمجھتا رہا۔ تاریخی اعتبار سے اگر فنونِ لطیفہ کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو جہاں جید صحابہ کرام اور صحابیات (رضی اللہ عنہم) نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں ہدیۂ تبریک پیش کیا وہاں گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیر اندازی، تلوار سازی و دیگر فنون پر توجہ دی جاتی تھی۔ عباسی دور میں رہائش گاہوں میں فوارے، ٹھنڈے اور گرم پانی کے حمام، پچی کاری، مساجد و مصاحف میں مسحور کن فنِ کمال کو محلوں، گھروں، دیواروں، چھتوں، دروازوں، کھڑکیوں، گھریلو استعمال کی اشیاء، چادر، فرش، کپڑوں اور تلواروں وغیرہ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے مختلف النوع مواد کا استعمال کیا جیسے پتھر، سنگ مرمر، لکڑی، مٹی، چمڑا، شیشہ کاغذ، لوہا، تانبا اور دوسری دھات وغیرہ۔ نقش نگاری میں عربی رسم الخط نے بھی خوب ترقی کی، مثلاً خط رقعہ، خط کوفی، خط فارسی، خط دیوانی وغیرہ۔ خطاطوں نے اس فن میں اپنی فن کاری کا بھرپور مظاہرہ کیا اور ہمارے لئے نہایت حسین و خوبصورت تختیاں چھوڑیں، خطاطی اور نقش نگاری کے سب سے عمدہ نمونے قرآن شریف اور مسجدوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یکتائے فن اور حسن روزگار مسجد نبوی، مسجد قبۃ الصخرہ، (فلسطین) دمشق کی جامعہ اموی، استنبول کی جامعہ احمد اور سلیمانیہ، قاہرہ کی جامع سلطان حسن اور جامع محمد علی وغیرہ آج بھی ان کے فنِ کمال کی آئینہ دار ہیں۔

☆☆☆

منطق و استدلال
کیلئے تجویز کردہ
قرآنی اصولوں کی عصری تحقیق میں مؤثریت

مفتی وسیم اختر المدنی
ہیڈ آف دارالافتاء فیضانِ شریعت

موجودہ اور سابقہ ادوار کی ترقیوں کے پیچھے انسان کی غور و فکر اور سوچ بچار کی ان صلاحیتوں کا ہاتھ ہے جو رب تعالیٰ نے اسے بخشی- غور و فکر ایک ایسا انسانی عمل ہے، جس سے انسان اپنی قریبی اشیاء کا مشاہدہ کر کے نامعلوم و اجنبی حقیقتوں سے پردہ اٹھاتا ہے- لیکن سوچنا اگر محض برائے سوچ ہو تو وہ لایعنی ہوا کرتی ہے- فکر کے بعد جو خیال یا نقطۂ نظر سامنے آئے اس کا کسی دلیل سے ثابت ہونا بے حد ضروری ہے- پس اگر کوئی دلیل نہ ہو تو اس خیال کی کوئی اہمیت نہیں رہتی- پھر اگر دلیل ہاتھ آئے تو اس کی صحت اور وارد شدہ نکتے کے ساتھ موافق ہونا بھی لازمی ہے، ورنہ وہ نقطۂ نظر بذاتِ خود غلط ثابت ہو گا-

قرآن کریم میں عقلی تدبر کی کھلی دعوت:

قرآن پاک میں عقلی غور و تدبر کی کھلی ہوئی دعوت ہے جس کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی- اسلام نے عقلی تدبر کو دینی واجبات میں شمار کیا ہے اور عقلی وظائف کی سرگرمی کو خدائی فریضہ بلکہ حتمی ذمہ داری قرار دیا ہے جس سے کوئی راہ فرار نہیں اور اس عقل کے صحیح و غلط استعمال پر حساب لیا جائے گا- قرآن کریم میں لفظ عقل مطلق معنی میں مستعمل نہیں بلکہ عقلی نظر و تدبر کا لفظ عقل کے استعمال کے معنی میں آیا ہے کیونکہ عقل کوئی قائم بالذات ماہیت نہیں- عقلی سرگرمیوں کی صراحت قرآن کریم میں متعدد مواقع پر موجود ہے-

عقل کے مشتقات 49 آیات میں وارد ہوئے ہیں اور سب فعل کے صیغے ہیں- صیغہ عقلوہ، نعقل اور یعقلھا ایک ایک بار آئے، صیغہ یعقلون 22 مرتبہ آیا اور صیغہ تعقلون 24 بار آیا- کلمہ عقل بحیثیت اسم قرآن میں نہیں آیا البتہ اپنے مترادفات میں صیغہ اسم استعمال ہوا، مثلاً لب جمع الباب، حلم جمع احلام، حجر، نھی، قلب اور فؤاد یہ تمام الفاظ عقل کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں-

سوچ و تدبر کی یہ الہامی صلاحیت رب کریم نے نوع انسانی ہی کو بخشی ہے- انسان کی سوچ ہی اس کے اعلیٰ مرتبت کی دلیل ہے- البتہ علو مرتبت کی دلیل وہی عقل مانی جاسکتی ہے جو فطری طور پر رب عزوجل کے فرامین کے پیرو ہو جسے "عقل سلیم" کہا جاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

"وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ"[1]

"اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے"-

قرآن مجید کے مطابق عقل اس وقت تک نفع بخش نہیں ہوتی جب تک اسے استعمال میں لا کر درست نتائج برآمد نہ کیے جائیں- ایسی عقل رکھنے والوں کو چوپایوں سے تشبیہ دی گئی:

"وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ"[2]

"اور بے شک ہم نے جہنّم کے لئے پیدا کئے بہت جن اور آدمی- وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے

---

[1](البقرۃ:269)

[2](الاعراف:179)

نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ، وہی غفلت میں پڑے ہیں"۔

قرآن کریم کا طرزِ استدلال:

قرآن پاک کا مرکزی موضوع انسان ہے، وہ انسان سے براہِ راست یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ تم میری بات مان لو، بلکہ اس سے اسی کی عقل کے مطابق ان باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہے جو کہ وہ پہلے ہی سے جانتا ہو۔ توجہ دلانے کے بعد وہ ان باتوں کے متعلق اس سے سوالات پوچھتا ہے۔ سوالات ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی عقل کو اثر انداز کرتے ہیں۔ انسان چاہے جواب دے یا نہ دے لیکن اس کی عقل کی سطح کے مطابق انسان خود ہی جوابات اخذ کر لیتا ہے۔ ان اخذ کردہ باتوں سے وہ اس سے بڑے شفیقانہ انداز میں اپنی اصل بات کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ حضور نبی کریم (ﷺ) نے اعلانِ نبوت کے بعد 13 برس مکہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران آپ (ﷺ) نے دین کے بنیادی عقائد کو سمجھانے کے حوالے سے جو طرزِ استدلال اختیار کیا اور جس کو قرآن کریم نے عمومی طور پر مکی سورتوں میں بیان کیا، وہ یہی تھا کہ انسانی عقل کے دریچوں کو پہلے ہی سے اخذ کردہ علم سے کھول دیا جائے۔

قرآن مجید کے عقلی استدلال کو ممکنہ آٹھ صورتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

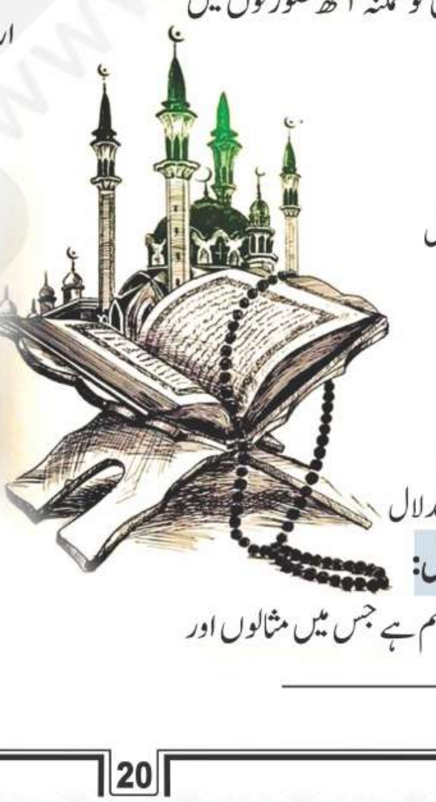

1. تشبیہ و تمثیل سے استدلال
2. جزئیہ سے استدلال
3. تعمیم پھر تخصیص سے استدلال
4. تعریف سے استدلال
5. مقابلہ سے استدلال
6. قرآنی قصص سے استدلال
7. مجادلہ و مناظرہ سے استدلال
8. عالم کائنات میں استقرائی استدلال

1- تشبیہ و تمثیل سے استدلال:

یہ قرآنی استدلال کی ایک قسم ہے جس میں مثالوں اور تشبیہات کے ذریعے حقائق ذہن کے قریب کئے جاتے ہیں اور جزوی مشاہدہ سے کلی معانی کی توضیح کی جاتی ہے اور حاضر سے غائب پر استدلال کیا ہے جسے اصطلاح منطق میں دلالت معنویہ کہا جاتا ہے مثلاً دھواں کی دلالت آگ پر۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ"[3]

"بیشک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر تو وہ جو ایمان لائے، وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے رہے کافر، وہ کہتے ہیں ایسی کہاوت میں اللہ کا کیا مقصود ہے، اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے اور اس سے انھیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں"۔

2- جزئیہ سے استدلال:

قرآن کریم میں جزئی دلائل بھی ہیں جو جزئی حقائق پر مبنی ہیں اور ہر جزء تنہا دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ

[3] (البقرۃ:26)

"یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ قُلۡ ھَاتُوۡا بُرۡھَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ"[4]

"یا وہ جس نے آسمان و زمین بنائے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اُتارا تو ہم نے اس سے باغ اُگائے رونق والے تمہاری طاقت نہ تھی کہ اُن کے پیڑ اُگاتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ وہ لوگ راہ سے کتراتے ہیں- یا وہ جس نے زمین بسنے کو بنائی اور اس کے بیچ میں نہریں نکالیں اور اُس کے لیے لنگر بنائے اور دونوں سمندروں میں آڑ رکھی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ اُن میں اکثر جاہل ہیں- یا وہ جو لاچار کی سُنتا ہے جب اُسے پکارے اور دُور کر دیتا ہے بُرائی اور تمہیں زمین کے وارث کرتا ہے کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے بہت ہی کم دھیان کرتے ہو- یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے خشکی اور تری کی اندھیروں میں اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے برتر ہے اللہ اُن کے شرک سے- یا وہ جو خلق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اُسے دوبارہ بنائے گا اور وہ جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے تم فرماؤ کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو"-

ان آیات میں جزئیات سے استدلال ہوا کہ ہر جزء اپنی ذات میں دلیل بن گیا اور اس مجموعہ سے یہ کلی دلیل بر آمد ہوئی کہ ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق کردہ ہے جو کہ اللہ عزوجل کے وجود پر روشن دلیل ہے-

3- تعمیم پھر تخصیص سے استدلال:

تعمیم کا معنی یہ ہے ایک عام قضیہ بیان ہو اور اجمالی طور پر دعویٰ کا ثبوت ہو پھر قضیہ کی جزئیات سے بحث ہو اور دلیل دی جائے کہ ہر جزئیہ دعویٰ ثابت کرنے والا ہے یا بحیثیت مجموعی ان جزئیات سے دعویٰ کا ثبوت ہوتا ہے-

قرآن کہتا ہے:

"قَالَ فَمَنۡ رَّبُّکُمَا یٰمُوۡسٰی ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ۝ قَالَ فَمَا بَالُ الۡقُرُوۡنِ الۡاُوۡلٰی ۝ قَالَ عِلۡمُھَا عِنۡدَ رَبِّیۡ فِیۡ کِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیۡ وَلَا یَنۡسَی ۝ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَھۡدًا وَّ سَلَکَ لَکُمۡ فِیۡھَا سُبُلًا وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰی ۝ کُلُوۡا وَ ارۡعَوۡا اَنۡعَامَکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی ۝ مِنۡھَا خَلَقۡنٰکُمۡ وَ فِیۡھَا نُعِیۡدُکُمۡ وَ مِنۡھَا نُخۡرِجُکُمۡ تَارَۃً اُخۡرٰی"[5]

"بولا تو تم دونوں کا خدا کون ہے اے موسیٰ- کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے لائق صورت دی پھر راہ دکھائی- بولا اگلی سنگتوں کا کیا حال ہے- کہا ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے میرا رب نہ بہکے نہ بھولے- وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا کیا اور تمہارے لیے اس میں چلتی راہیں رکھیں اور آسمان سے پانی اُتارا تو ہم نے اُس سے طرح طرح کے سبزے کے جوڑے نکالے- تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو- ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے"-

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) کی زبان سے ایک جامع کلمہ کہلوایا جو ربوبیت کے مفہوم اور عبادت کے معنی کو پوری طرح واضح کر رہا ہے کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی اور پھر اس کو راستہ بتایا- خدا یہ اس کائنات کی ہر شے کو وجود بخشتا ہے اور وہی ہدایت پانے والوں کو ہدایت دیتا ہے-

اس جامع تعمیم کے بعد قرآن کریم نے ان کی جزئیات کی وضاحت شروع کی اور اُنہیں جزئیات کا بیان ہوا جن سے فرعون اور اہل مصر جو کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اس سے واقف تھے اور ان کے مناسب حال کلمہ پر اس ٹکڑے کا خاتمہ ہوا جو سارے انسانوں کیلئے نعمت ہے کہ تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو-

4- تعریف سے استدلال:

تعریف سے استدلال یہ ہے کہ موضوع کی ماہیت سے ہی دلیل خود ماخوذ ہو- مثلاً اصنام کی حقیقت سے ہی یہ دلیل

[4] (النمل:60-64)

[5] (طٰہٰ:49-55)

مستفاد ہوتی ہے کہ وہ معبود نہیں ہو سکتے اور صفات خداوندی کے بیان سے یہ دلیل فراہم ہوتی ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہی عبادت کا مستحق ہے۔ اگر موضوع اللہ کی ذات ہو تو اس کی صفات اور تخلیق صغیر و کبیر کی وضاحت سے اس کی الوہیت پر استدلال ہو گا اور ذات خداوندی کا تعارف اس کی صفات ہی سے کرایا جائے گا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

قرآن کہتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ○ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ یَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ"[6]

"بیشک اللہ دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے، زندہ کو مردہ سے نکالے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا، یہ ہے اللہ، تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔ تاریکی چاک کر کے صبح نکالنے والا اور اس نے رات کو چین بنایا اور سورج اور چاند کو حساب یہ سادھا (مقرر کیا ہوا) ہے زبردست جاننے والے کا اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں ہم نے نشانیاں مفصل بیان کر دیں علم والوں کے لیے۔ اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر کہیں تمہیں ٹھہرنا ہے اور کہیں امانت رہنا بے شک ہم نے مفصل آیتیں بیان کر دیں سمجھ والوں کے لیے۔ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے ہر اگنے والی چیز نکالی تو ہم نے اس سے نکالی سبزی جس میں سے دانے نکالتے ہیں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے اور کھجور کے گابھے سے پاس پاس گچھے اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ اس کا پھل دیکھو جب پھلے اور اس کا پکنا بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے۔ اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو حالانکہ اسی نے ان کو بنایا اور اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گڑھ لیں جہالت سے پاکی اور برتری ہے اس کو ان کی باتوں سے"۔

ان آیات میں اللہ کی وحدانیت کا اثبات ہے اور یہ کہ وہی معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ اثبات کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ اس کی تخلیق و تنوع کی وضاحت کی گئی اور یہ کہ وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا تعارف اس کی صفات اور موجودات میں اس کے اثرات کے واسطہ سے کرایا گیا کیونکہ اس کی ذات کا تعارف اس دنیا میں ممکن نہیں۔

5۔ مقابلہ سے استدلال:

دو چیزوں کے درمیان، دو معاملات میں یا دو اشخاص میں مقابلہ و موازنہ اس لیے ہو کہ معلوم ہو سکے کہ ان میں سے کون کسی متعین کام میں مؤثر ہو سکتا ہے اور جب ثابت ہو جاتا ہے کہ فلاں کی تاثیر زیادہ ہے تو اسے اولیت اور ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ اس نوعیت کا استدلال قرآن کریم میں بہت ہے اس لیے کہ مشرکین تراشیدہ پتھروں کی یا مخلوقات الٰہی کی پرستش کرتے تھے اور عقیدہ یہ رکھتے تھے کہ ایجاد و

[6](الانعام: 95-100)

تخلیق میں یا خیر و شر کے حصول میں ان کا اثر حاصل ہے۔ چنانچہ ذات خداوندی اور مصنوعی معبودانِ باطل کے درمیان مقابلہ کیا گیا تاکہ مشرکین کے عقائد کا بطلان واضح ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اَفَمَنۡ یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ"[7]

"تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے"۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

"قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰہُ ؕ قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ لَا یَمۡلِکُوۡنَ لِاَنۡفُسِہِمۡ نَفۡعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَ الۡبَصِیۡرُ ۬ۙ اَمۡ ہَلۡ تَسۡتَوِی الظُّلُمٰتُ وَ النُّوۡرُ ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوۡا کَخَلۡقِہٖ فَتَشَابَہَ الۡخَلۡقُ عَلَیۡہِمۡ ؕ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ"[8]

"تم فرماؤ کون رب ہے آسمانوں اور زمین کا تم خود ہی فرماؤ اللہ تم فرماؤ تو کیا اس کے سوا تم نے وہ حمایتی بنا لیے ہیں جو اپنا بھلا برا نہیں کر سکتے ہیں تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے اندھا اور انکھیارا یا کیا برابر ہو جائیں گی اندھیریاں اور اجالا کیا اللہ کیلئے ایسے شریک ٹھہرائے ہیں جنہوں نے اللہ کی طرح کچھ بنایا تو انہیں ان کا اور اس کا بنانا ایک سا معلوم ہوا تم فرماؤ اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے اور وہ اکیلا سب پر غالب ہے"۔

مذکورہ آیت میں مندرجہ ذیل امور کے درمیان مقابلہ و موازنہ دیکھا جا سکتا ہے:

1. نفع و ضرر پر قدرت نہ رکھنے والوں کے درمیان اور اس ہستی کے درمیان جو غالب ہے، ہر چیز پر قادر ہے، یکتا و یگانہ ہے جس سے مشابہ کوئی نہیں۔ گویا مقابلہ ہو رہا ہے اندھے اور آنکھوں والے کے درمیان۔ اندھے سے مراد وہ لوگ ہیں جو حقائق کا ادراک نہیں کرتے اور آنکھوں والے وہ لوگ ہیں جنہیں حقیقتوں کا ادراک رہتا ہے۔
2. نفس پر چھائی ہوئی تاریکی اور دل کو روشن کرنے والی روشنی کے درمیان۔
3. تخلیق کرنے والے اور تخلیق کی صلاحیت نہ رکھنے والے کے درمیان۔

یہ مقابلے متعدد دعوؤں کو ثابت کرنے والے دلائل فراہم کرتے ہیں:

پہلا دعویٰ یہ ہے کہ ہر چیز کی قدرت رکھنے والا اور خود اپنے نفع و نقصان کی قدرت نہ رکھنے والا دونوں یکساں ہیں اور دلیل کے نتیجہ میں حکم یہ نکلا کہ دونوں یکساں نہیں ہیں۔ چونکہ الوہیت کی یکسانیت کا دعوی باطل ہے اس لیے حکم نفی کا لگایا گیا۔ معبود صرف وہ اللہ ہے جو ہر چیز کا مالک ہے۔

دوسرے دعویٰ میں حقیقت کا ادراک کرنے والے ہدایت یافتہ شخص اور گمراہ شخص کے درمیان برابری کی نفی کی گئی۔ اول الذکر کی مثال آنکھوں والے کی اور آخر الذکر کی مثال اندھے کی ہے۔ پھر آخر کون صراط مستقیم پر گامزن ہو سکے گا؟ بلاشبہ فیصلہ یہی ہو گا کہ ہدایت یافتہ آنکھوں والے شخص کے ساتھ ہی خیر ہے۔

تیسرے دعویٰ میں تخلیق و تکوین کے مذموم خیال کا اشتراک ہے اور یہ خیال باطل ہے بلکہ اللہ ہر چیز کا خالق اور وہی قادر و غالب ہے۔ حقائق اس کا اثبات کرتے ہیں اور انہیں خود اس کا اعتراف ہے:

"وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ"[9]

"اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین تو ضرور کہیں گے اللہ"۔

ان مقابلوں سے جن کا بہ کثرت تذکرہ قرآن کریم میں ہوا ہے، ثابت ہو جاتا ہے کہ سچا کون ہے اور کون ہے جو گمان و قیاس کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔

6۔ قرآنی قصص سے استدلال:

کبھی قصوں سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اثر انگیزی اور صبر و تسلی کے لیے قصوں کو واسطہ بنایا ہے۔ قصوں کے ضمن میں شرک و بت پرستی کے باطل ہونے پر

[7] (النحل:17)
[8] (الرعد:16)
[9] (لقمان:25)

دلائل دیے جاتے ہیں-بسا اوقات قصہ کا موضوع ایسا رسول ہوتا ہے جس کی قدر و منزلت سے مشرکین واقف تھے جیسے ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام)- کسی ایسے رسول کی زبان سے استدلال کرنا جس کی فضیلت کا مخالفین کو اعتراف ہو جیسے عربوں کے نزدیک ابراہیم (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل کے یہاں موسیٰ (علیہ السلام) معزز و محترم تھے- دلیل کی قوت و طاقت میں اضافہ کا سبب ہوتا ہے- حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اپنے والد سے گفتگو اور اپنی قوم کے ساتھ ان کا معاملہ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے-ہم دونوں قصوں میں بت پرستی کے باطل ہونے کے حق میں واضح اور قوی دلائل پاتے ہیں کیونکہ سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) عربوں کے نزدیک بڑے مکرم اور واجب الاحترام تھے اور انہی سے وہ اپنا سلسلۂ نسب جوڑتے تھے- ان کا دعویٰ تھا کہ وہ ملت ابراہیمی پر ہیں- جب انہیں خبر ملی کہ ابراہیم (علیہ السلام) تو موحّد تھے اور اپنے والد اور اپنی قوم سے ان کا استدلال سامنے آیا تو اس کا ان کے دلوں پر خاطر خواہ اثر ہوا- قرآن کریم میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اپنے والد سے گفتگو ہوئی ہے جو بت پرستی کے خلاف تھی-

سورہ مریم میں ارشاد ہوا:

”وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا“[10]

”اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بے شک وہ صدیق تھا غیب کی خبریں بتاتا-جب اپنے باپ سے بولا اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے-اے میرے باپ بیشک میرے پاس وہ علم آیا جو تجھے نہ آیا تو تو میرے پیچھے چلا آ میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں“-

کیا نہیں دیکھتے کہ اس کلام میں بت پرستی کی تردید مؤثر انداز میں موجود ہے کیونکہ اس میں وضاحت ہے کہ یہ معبود نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اس لیے یہ انسان سے بھی کم تر ہیں- آخر انسان اپنے سے کم تر چیزوں کی پوجا کیسے کرتا ہے جبکہ عبادت دعا ہے اور انسان کیسے ان چیزوں کو پکارتا ہے جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں-

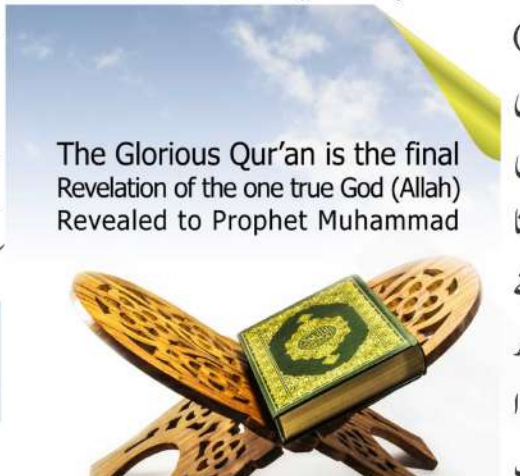

7-مجادلہ و مناظرہ سے استدلال:

قرآن کریم نے حقائق کی توضیح و اثبات میں استدلال ہی پر اکتفاء نہ کیا بلکہ بعض مقامات پر اس نے مناظرہ و مجادلہ کی شکل اختیار کی اور مشرک و اہل کتاب مخالفین اور شک و تردد میں مبتلا متردد دین کے ساتھ کھلے چیلنج اور مبارزت کا بھی سامنا کیا-اس میدان میں بھی اس کا منہاج ممتاز و منفرد ہے-جب وہ الزامی و اقداری پوزیشن اختیار کرتا ہے تو جلد ہی معاند کا ہاتھ پکڑ کر حقیقت کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے اور اس کی مکمل وضاحت کر دیتا ہے جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس مطالبہ کا جواب دیا ہے کہ رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہیے-

قرآن کہتا ہے:

”وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ“[11]

”اور بولے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اُتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ اُتارتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی- اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں“-

[10](مریم:41-43)
[11](الانعام:8-9)

8-عالم کائنات میں استقرائی استدلال:

فطری بات ہے کہ منہج اس موضوع کے مزاج سے ہم آہنگ ہو جس پر تمام میدانوں میں غور و فکر کا انحصار ہے- عالم کائنات سے ہم آہنگ منہج استقرائی منہج ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ عالم کائنات محسوس و مشاہد دنیا ہے جسے عقل انسانی حسی تجربہ اور مشاہدہ کے مراحل سے گزار سکتی ہے اور ماہرانہ ملاحظہ کی تابع بنا سکتی ہے-

اس استقرائی منہج کا اولین قدم کائنات کی تمام جزئیات پر اور خود انسان کے باطن پر غور و فکر کرنا ہے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ۙ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ"[12]

"اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو- اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں"-

سورہ جاثیہ میں ارشاد ہوا:

"اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۙ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ"[13]

"بے شک آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے- اور رات اور دن کی تبدیلیوں میں اور اس میں کہ اللہ نے آسمان سے روزی کا سبب مینہ اُتارا تو اس سے زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کیا اور ہواؤں کی گردش میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے-

موجودہ زمانے میں قرآنی اصولوں کی مؤثریت:

عصر حاضر کے مسلمانوں کا حال ایسا ہے، جیسا کہ کمینوں کے دستر خوان پر ایک یتیم کا ہوتا ہے- صاحبانِ عقل سے مخفی نہیں ہے کہ آج پوری طاغوتی طاقتیں ہمیں سطحِ ارض سے محو کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں، جس کی سب سے بڑی وجہ باری تعالیٰ سے قطع تعلق، دین سے دُوری اور احکامِ قرآنی سے بے اعتنائی ہے-

قرآن مجید اتنی عظیم الشان کتاب ہے، جس نے حضور اکرم (ﷺ) کو سید الانبیاء، خاتم الانبیاء اور رحمۃ للعالمین جیسے القاب سے ملقب کیا اور اپنی تعلیمات کے ذریعہ لوگوں کو تحت الثریٰ سے رفعتِ ثریا تک پہنچا دیا جو قیامت تک انسانیت کیلئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے- خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام (رضی اللہ عنھم) قرآن پاک اور سنت نبوی (ﷺ) کا ایسا علمی و عملی نمونہ تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے "رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ"[14] کی سند سے سرفراز کیا-

قرآن مجید بنی نوع انسان کیلئے عموماً اور مسلمانوں کیلئے خصوصاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا دستورِ حیات ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر وہ زندگی کے ہر میدان میں سرفرازی اور بلندی حاصل کرسکتے ہیں- افسوس کہ موجودہ دَور کے مسلمان قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں- دُنیا میں بہت کم ایسے مسلمان ہیں، جو قرآن کریم کو اُس کے صحیح اور حقیقی مقاصد کی نظر سے دیکھتے اور کثرتِ تلاوت سے نیکیاں حاصل کرتے ہوں- قرآن مجید بحر ذخار ہے، جس کو ہم بڑے سے بڑے ظرف میں بھی بند نہیں کرسکتے- دُنیا و آخرت کے وہ کونسے مسائل ہیں، جن کو اجمالاً یا تفصیلاً قرآن پاک میں نہ بیان کیا گیا ہو- جیسا کہ خود فرمانِ الٰہی ہے:

"تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ"[15]

"قرآن کریم میں ہر چیز کا روشن بیان ہے"-

"وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ"[16]

"دنیا کے ہر خشک و تر کا بیان قرآن میں موجود ہے"-

☆☆☆

[12](الذاریات:20-21)

[13](الجاثیہ:3-5)

[14](التوبہ:100)

[15](النحل:89)

[16](الانعام:59)

توہینِ قرآن

کی روک تھام کے لیے

اقوامِ متحدہ کے اقدامات کا تنقیدی جائزہ

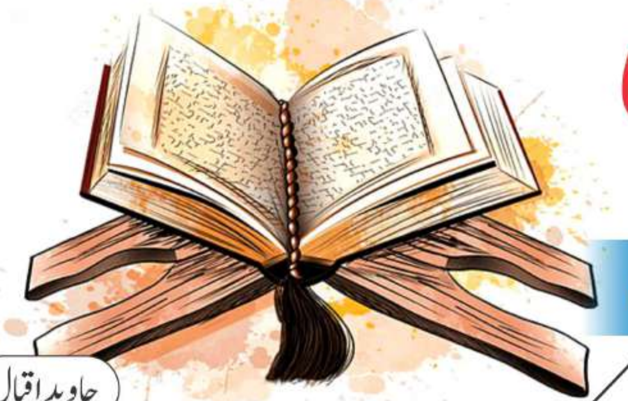

جاوید اقبال

دور حاضر کا مسلمان جو مختلف دینی و دنیاوی مسائل میں الجھا ہے اس کی ایک نہیں کئی ممکنہ وجوہات ہیں جس کا ماضی بڑی بڑی سلطنتوں اور اسلام کا مرکز تھا آج وہ مسلمان غیر مسلم کی یلغار کو للکارنے میں بے حس نظر آتا ہے- مسلمانوں کی اس بے حسی پر غیر مسلم اپنے آپ کو اعلیٰ محسوس کرتے ہوئے اخلاقی اقدار کو بھول چکا ہے- جس کی بنا پر وہ خود کو ایک بڑا (نام نہاد) دعویدار گردانتا ہے- اخلاقی اقدار کی ابتدا ہمیں عرب کی اس عظیم ہستی کے وجود اطہر سے نظر آتی ہے جس نے آتے ہی زندہ در گور ہونے والوں کی جاں بخش کر انسانیت کے مقام کو رفعت دی- یوں تمام الہامی کتب اور انبیاء کرام (علیہم السلام) کی طرف سے دیا جانے والا پیغام انسانیت سے محبت، مذاہب اور دینی کتب کے احترام کا درس دیتا ہے اس کے علاوہ عالمی قانون، عالمی ادارے اور انسانی فلاح و بہبود پر کام کرنے والے ماہرین بھی اس پر اتفاق رکھتے ہیں کیونکہ عالمی قوانین اور انسانی اقدار کا وجود ان الہامی کتابوں سے نظر آتا ہے- گویا ان ماخذ کا احترام ہر کمیونٹی کے فرد کی بقا کا ضامن ہے- لیکن موجودہ صورت میں مسلم نسل کشی، اسلام اور قرآن کریم کی بے حرمتی جیسے واقعات کے باعث ہم زیر نظر تحریر میں تقدسِ قرآن مجید پر بات کریں گے-

یوں تو دنیا میں کتابیں لامحدود ہیں اور یہ لامحدود کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں کے مایہ ناز لکھاریوں کے خیالات اور فلسفہ کی عکاس ہیں- لیکن ان تمام کتب میں ایسی کوئی بھی نہیں، نہ تھی اور نہ ہو گی جسے پوری دنیا میں فوقیت حاصل ہو- اس کے علاوہ بارگاہ خداوندی سے کتب اور صحائف کی ایک لمبی فہرست موجود ہے- ان کتب اور صحائف کو بھی وہ مقام حاصل نہیں جو بارگاہِ الٰہی سے

آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہونے والی کتاب ”قرآن مجید“ کو ہے- یہ کتاب اللہ کریم کا کلام ہے جو حق و باطل میں حد فاصل قائم رکھنے کے لیے نازل کیا گیا- کلامِ الٰہی کا ازلی کلام ہونا قرآن پاک کی حرمت و تعظیم کیلئے کافی ہے کیونکہ یہ کلام حکم الٰہی سے جبرائیل امین لوح مکنون سے لوح محفوظ کی طرف اترتے رہے- گویا یہ کلام غیر مخلوق ہے جس کی قدر و منزلت، شان و شوکت اور شرف و عظمت کی اور دلیل کیا ہو گی کہ یہ کلام الٰہی جس ہستی مبارک پر نازل ہوا وہ باعثِ تخلیقِ کائنات، محبوب خدا محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں- الغرض! اس حکمت والی لاریب کتاب کو جس نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے یہ اپنی عظمت و شرف میں بے مثال ہے- جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

”ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ“[1]

”یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے“-

رب کائنات نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا اور نازل ہونے والی یہ الہامی کتاب چونکہ آخری کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سپرد کرتے ہوئے خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا:

”اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ“[2]

”بے شک ہم نے اس قرآن کو اُتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں“-

قرآن پاک کی عظمت کی یہ واضح دلیل ہے کہ جو کچھ جبرائیل امین لے کر اترتے وہ امین بن کر لاتے اور جس ہستی پاک پر نازل فرمایا گیا ان کی طرف سے بھی کسی قسم کی (زیر، زبر، شد و

[1] (البقرۃ:2)

[2] (الحجر:9)

مد) تبدیلی نہیں کی گئی- اس بات کی شہادت بارگاہ خداوندی سے یوں دی گئی:

"مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی"[3]

"وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو وحی ہے جو انہیں کی جاتی ہے"-

جب کلام الٰہی عرب کے لوگوں کو سنایا گیا تو (وہاں کے) خطباء اور علماء نے کہا یہ کونسی مشکل بات ہے ہم بھی ایسا کلام لا سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورتوں میں سے سب سے چھوٹی سورت کے ساتھ عرب کے بلند بانگ اور خاص الخاص خطباء کو چیلنج کیا (کہ اس کی مثل لے آؤ) لیکن انہیں اس پر قادر نہ پایا- فصحاء عدنان اور بلغاء قحطان میں سے جس نے اس کے معارضہ کا ارادہ کیا وہ لاجواب ٹھہرے- حتی کہ انہوں نے بھی یہ گمان کیا کہ ان پر جادو کر دیا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے ان کی مصلحتوں کے پیش نظر جس قدر چاہا قرآن پاک کو واضح فرما دیا تاکہ وہ اس کی آیات میں غور کریں اور اہل عقل اس سے خوب نصیحت حاصل کریں-

اگر قرآنی اسلوب اور اندازِ بیان کو گہرائی سے دیکھا جائے تو قرآن پاک کی ایک سورت تو درکنار اس کی ایک سورت کی آیات، ان کی آیات کے کلمات، الفاظ اور حروف ہی نہیں بلکہ زیر، زبر، شد و مد کے تحت بھی اس قدر حقائق اور رموز مخفی و پوشیدہ ہیں کہ زبان ان کو بیان اور قلم ان کو ضبطِ تحریر میں لانے سے قاصر ہیں- جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ"[4]

"تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی"-

ایک اور مقام پر فرمایا:

"وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ"[5]

"اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہوں اس کے پیچھے سات سمندر اور (ہوں) تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی"-

قرآن حکیم کی فضیلت اور عظمت کو بیان کرتے ہوئے خاتم الانبیا سید المرسلین حضرت محمد (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"میری امت کی سب سے بہترین عبادت قرآن پاک کی تلاوت ہے"-[6]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی"-[7]

قرآن پاک سے محبت مسلمانوں کے ایمان کا حصہ ہے- دنیا میں (2 ارب [8]) بسنے والے مسلمان جسم واحد کی طرح ہیں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کو تکلیف دینے کی کوشش کی جاتی ہے وہاں مسلمانوں کا متحد ہونا حق بنتا ہے- مغربی ممالک کی طرف سے مسلمانوں کو تذلیل کرنے کی کوشش کے آئے دن واقعات کے ذریعے دنیا بھر کے مسلمانوں کو اکسایا جاتا ہے- مسلمانوں کی تذلیل کے مختلف حربے جس میں توہینِ مذہب، قرآن کریم اور دیگر اسلامی کتب کی بے حرمتی، آخری نبی پیغمبر مصطفٰے (ﷺ) کی گستاخی میں نفرت انگیز الفاظ بولنا جیسے نازیبہ کام کیے جاتے ہیں پھر ان کی طرف سے آنے والے ری ایکشن کو مختلف نام (دہشت گرد، اسلاموفوبیا) دے کر مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے- جس میں زدعام "اسلاموفوبیا" ہے-

اسلاموفوبیا لفظ 'اسلام' اور یونانی لفظ "فوبیا" (یعنی ڈر جانا) کا مجموعہ ہے- اس سے غیر مسلم 'اسلامی تہذیب سے ڈرنا' اور 'نسلیت مسلم گروہ سے ڈرنا' مطلب لیتے ہیں- اکثر غیر مسلموں کو اسلام کے خلاف بھڑکایا جاتا ہے اور اسلامی تعلیمات کے خلاف زہر افشانی کر کے ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

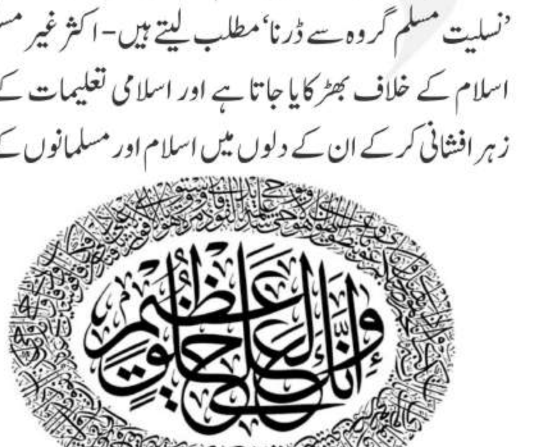

---

[3](النجم:3-4)　[4](الکہف:109)　[5](لقمان:27)

[6](احیاء العلوم)　[7](صحیح بخاری و مسلم)

[8]https://visualfractions.com/unit-converter/convert-1-billion-to-arab

نفرتیں پیدا کی جاتیں ہیں- جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں اسلام کا خوف داخل ہوتا ہے اس کو اسلاموفوبیا کہا جاتا ہے- اسلاموفوبیا یعنی اسلام سے دشمنی جس کی انگریزی (Islamophobia) ہے یا اسلام کا خوف- یہ نسبتاً ایک جدید لفظ ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے نہ صرف کافی سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کو پروموٹ کرنے کی ناکام کوششیں بھی کی جاتی ہیں- اس اصطلاح کے استعمال کا آغاز فرانسیسی زبان میں 1910ء اور انگریزی میں 1923ء میں ہوا- آغاز سے بیسویں صدی کے آخر تک اس کا استعمال نسبتاً کم رہا- لیکن 11/9 کے بعد کثرت سے اس لفظ کا استعمال ہوا- اسلاموفوبیا کی وجہ سے مغربی دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کو ایک دہشت گرد گروہ کے طور پر اور نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے-[9]

اس کے علاوہ غیر مسلم کی طرف سے کی جانے والی مکروہ حرکات میں سے قرآن پاک کی بے حرمتی (نذر آتش کرنا، پاک کلام کے اوراق سڑکوں پر بکھیرنا) کرنے جیسے واقعات آئے دن نظر آتے ہیں-

حالیہ دنوں میں ڈنمارک، سویڈن اور ہالینڈ میں قرآن مجید کی بے حرمتی کرکے دنیا بھر کے مسلمانوں کی دل آزاری کی گئی- کہیں (سویڈن میں) کلام پاک کو نذر آتش کیا گیا اور کہیں (ہالینڈ میں) قرآن مجید کے اوراق پھاڑ کر سڑکوں پر بکھیرے گئے- اس پس منظر کی بہت سی وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ سویڈن اور ڈنمارک کا نیٹو کے فوجی اتحاد میں شامل ہونے کی کوشش میں ترکی سب سے بڑی رکاوٹ ہے- اس رکاوٹ کے خلاف سویڈن میں ہونے والے مظاہروں کے دوران انتہائی دائیں بازو کی سٹر ام کرس پارٹی کے رہنما نے ترکی کے سفارت خانے کے باہر قرآن مجید کا نسخہ نذر آتش کیا جو مسلم دنیا کے غم و غصہ کا سبب بنا- اس طرح کے شرمناک واقعات میں ہالینڈ بھی سرفہرست ہے- قرآن کریم کی بے حرمتی کے ایسے واقعات رونما ہونے کے بعد نہ صرف عوامی سطح پر احتجاج کا دائرہ وسیع ہوا بلکہ مسلم ممالک کی حکومتیں بھی اس کا حصہ بنیں- یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے نبی حضرت محمد (ﷺ) پر اترنے والی الہامی کتاب قرآن کریم کی بے حرمتی کسی بھی مسلمان کے لیے قابل قبول نہیں ہے اور یوں مسلمانوں کا غصہ میں آنا اور اپنے جذبات کا اظہار کرنا، جو ان کے ایمان اور قرآن کریم کے ساتھ وابستگی ہے ایک فطری رد عمل ہے- قرآن حکیم سے محبت ہی ہے کہ اس احتجاج میں ہر طبقے سے تعلق رکھنے والا مسلمان شامل ہوتا ہے، اس کے ساتھ مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمان بھی قرآن کریم کی حرمت اور تقدس کی بحالی میں ہمیشہ سے عالم اسلام کے ساتھ ہمہ تن نظر آتے ہیں-

قرآن کریم جو ایک عالمگیر کتاب ہے اس کا مطالعہ نہ صرف مسلمانوں میں کیا جاتا ہے بلکہ تحقیقی نقطہ نظر سے دیگر اقوام بھی اس میں غوطہ زن ہیں لیکن ان دونوں اقوام (مسلم اور غیر مسلم) کے مطالعہ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے- یہ مغربی دنیا کا دوغلہ پن ہے کہ ایک طرف مقدس کلام کو تحقیقی مقاصد کیلئے استعمال کرتے ہیں دوسری طرف بے حرمتی سے باز نہیں آتے ان کا یہ رویہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ مسلمان بھی قرآن کریم کو اسی طرح نظر انداز کر دیں جس طرح دنیا کی مسیحی اکثریت نے بائبل کو اپنی عملی زندگی سے لاتعلق کر رکھا ہے- دوسری بات مغرب جو اپنے آپ کو عالمی انسانی حقوق کا علمبردار گردانتا ہے اس طرح کے بے حرمتی والے افعال پر اتنا ایکٹو نہیں جتنا مغربی اور غیر مسلم کے تحفظ میں نظر آتا ہے موجودہ صورت حال میں امریکہ، برطانیہ اور چند دیگر ممالک کا فلسطین کے خلاف اسرائیل کی مدد کی حمایت انسانی حقوق کی پامالی کی واضح مثال ہے- یہاں مسلم دنیا کا اور عالمی انسانی حقوق کے رکھوالوں (اقوام متحدہ اور دیگر اداروں) کی ذمہ داریوں کا جائزہ لینا انتہائی اہمیت کا حامل ہے-

بات کی جائے مسلم دنیا کی تو نہ صرف عوام اور حکومت نے مذمت کی ہے بلکہ مسلم ممالک کی آرگنائزیشن اسلامی تعاون تنظیم اور دیگر تعلیمی اداروں جن میں نمایاں، مصر کی جامعہ الازہر، نے مسلمانوں کی مقدس کتاب کی بے حرمتی کو جرم قرار دیا ہے- انہوں نے عرب اور عجم کے مسلم ممالک کو بھی سویڈن مصنوعات کے بائیکاٹ کا کہا جو کہ ایک مناسب جواب ہے کیونکہ یورپی ممالک میں سویڈن، ہالینڈ اور دیگر چند ممالک غیر انسانی اور غیر اخلاقی جھنڈے تلے وحشیانہ جرائم کی آبیاری کا عزم رکھتے ہیں-[10]

[9]https://ur.wikipedia.org/s/3pug

[10]https://ur.mehrnews.com/news/1917944/

اسی طرح اسلامی تعاون تنظیم (OIC) کے سیکرٹری جنرل حسین براہیم طحہ نے انتہائی دائیں بازو کے کارکنوں کی طرف سے قرآن پاک کو جلانے کے گھناؤنے فعل کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی اور اس پر ردِ عمل دیتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن پاک کی بے حرمتی کی کارروائیوں کو روکنے کے لیے اجتماعی اقدامات کی ضرورت ہے اور مذہبی بنیادوں پر منافرت کو روکنے کے لیے بین الاقوامی قانون کا استعمال ہونا چاہیے-OIC کے سیکریٹری جنرل نے مزید کہا کہ ہمیں بین الاقوامی قانون کے فوری اطلاق کے حوالے سے عالمی برادری کو مسلسل یاد دہانی کرانی چاہیے، جو واضح طور پر مذہبی منافرت کی کسی بھی حمایت سے روکتا ہے-OIC کے سیکرٹری جنرل نے خبردار کیا ہے کہ یہ اشتعال انگیز کارروائیاں جو انتہائی دائیں بازو کے انتہا پسندوں اور دیگر شدت پسندوں کی طرف سے دہرائی جاتی ہیں اور مسلمانوں کو اس کا نشانہ بنا کر مقدس اقدار کی توہین کی جاتی ہے اس طرح کے واقعات کا نتیجہ اسلاموفوبیا، نفرت، عدم برداشت اور زینوفوبیا جیسی مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے جن کا حقیقت کے ساتھ دور دور تک تعلق نہیں- OIC کے سیکرٹری جنرل کی طرف سے سویڈش حکام پر زور دیا گیا کہ وہ نفرت انگیز اقدامات کے خلاف کارروائی کریں- یوں انہوں نے بین المذاہب کی یکجہتی و ہم آہنگی کیلئے بین الاقوامی کوششوں میں اضافہ کا مطالبہ بھی کیا-[11]

سویڈن میں قرآن کریم کی بے حرمتی کے واقعہ کے خلاف پاکستان کی پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں مذمتی قرارداد منظور کی گئی-اس قرارداد میں سویڈن حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس واقعہ میں ملوث افراد کے خلاف ایسے اقدامات کرے جو صرف قانونی کارروائی تک محدود نہ ہوں بلکہ یقینی بنائے کہ آئندہ کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آئے-مزید اس قرارداد میں عالمی تنظیموں اور سپر پاورز سے مطالبہ کیا گیا کہ مقدس کتابوں، علامات، مقامات اور عبادت کی جگہوں کی توہین کو قانونی طور پر جرم قرار دیں-[12]

مختلف ممالک اور آرگنائزیشن کے توہینِ مذہب پر قوانین اور مؤقف:

توہینِ مذہب دنیا کے کئی ممالک میں جرم ہے-امریکی تھنک ٹینک پیو ریسرچ سینٹر نے 2019ء میں دنیا کے تمام ممالک کے قوانین کا جائزہ لے کر ایک رپورٹ جاری کی جس میں بتایا گیا ہے کہ کم از کم 79 ایسے ممالک ہیں جہاں توہینِ مذہب کو جرم قرار دیا گیا ہے-ان قوانین میں خدا یا کسی مقدس ہستی سے متعلق کسی بھی اہانت آمیز تقریر و تحریر یا عمل کو توہینِ مذہب کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے-ایک رپورٹ کے مطابق افغانستان، برونائی، ایران، موریطانیہ، نائیجیریا، پاکستان اور سعودی عرب (سات) ایسے ممالک ہیں جہاں توہینِ مذہب کی سزا میں موت کی سزا شامل ہے- مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے 20 میں سے 18 ممالک ایسے ہیں جہاں توہینِ مذہب کو جرم قرار دیا گیا ہے-عراق میں کسی بھی مذہبی فرقے یا جماعت کے لیے مقدس شخصیت یا علامت کی سرعام توہین پر 3 سال تک قید کی سزا ہے- فرقہ ورانہ کشیدگی کے باعث 1975ء سے 1990ء تک خانہ جنگی کا شکار رہنے والے ملک لبنان میں سماجی ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لیے کسی بھی مذہبی طبقے یا مکتبِ فکر کی مقدس شخصیات یا علامات کی توہین کو جرم قرار دیا گیا ہے جس میں 3 برس تک کی سزا ہو سکتی ہے- جبکہ امریکہ کے آئین کی پہلی ترمیم میں دیئے گئے آزادیٔ اظہار کے تحفظ کی بنا پر احتجاج کے لیے قرآن کریم یا کسی مذہبی کتاب کو نذرِ آتش کرنے کو غیر قانونی قرار نہیں دیا جا سکتا-سال 2020ء میں ریاست فلوریڈا کے ایک مسیحی رہنما ٹیری جونز نے نائن الیون حملوں کی برسی کے موقع پر قرآن نذرِ آتش کرنے کا اعلان کیا تھا اس اعلان پر حکام نے تشویش کا اظہار تو کیا تھا لیکن وہ ٹیری جونز کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کر سکے تھے-جونز اس سال تو اپنے منصوبے پر عمل نہیں کر سکے تاہم اگلے سال فلوریڈا ہی میں قرآن نذرِ آتش کیا تھا-[13]

---

[11] https://ur.mehrnews.com/news/1917525
[12] https://www.urdunews.com/node/777671

[13] https://d2nxu8ddenvtvf.cloudfront.net/a/why-does-sweden-allow-quran-burnings-21jul2023/7190415.html

انیسویں صدی کے آخر تک سوئیڈن میں توہینِ مذہب سنگین جرم تھا اور اس کی سزا، سزائے موت تھی- لیکن رفتہ رفتہ قانون میں مذہب کا عمل دخل ختم ہونے سے توہینِ مذہب سے متعلق قوانین نرم ہوتے گئے- 1970ء میں سوئیڈن میں توہینِ مذہب سے متعلق تمام قوانین ختم کر دیئے گئے-[14]

یوں سزا کا قانون ختم ہونے کے بعد اس طرح کے واقعات نے شدت پکڑی، یہ شدت پسندی آہستہ آہستہ مغرب کے دیگر ممالک میں بھی پھیلتی گئی- اکیسویں صدی کے آغاز پر مقدس کلام اور مقامات کی بے حرمتی کے واقعات کے اضافے پر دنیا کے کونے کونے سے اٹھنے والی آواز کو دبانا آسان نہیں تھا- اس پریشر کو دیکھتے ہوئے ڈنمارک کی پارلیمان نے ایک سیشن میں مقدس کتاب قرآن مجید کی 'بے حرمتی اور توہین' کرنے پر پابندی عائد کر دی- اس قانون کو ملک میں "قرآن قانون" قرار دیا- اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو 2 سال تک قید کی سزا دی جا سکتی ہے-یوں ڈنمارک کی پارلیمان میں اس قانون کے حق میں 94 افراد جبکہ 77 نے اس کے خلاف ووٹ دیا-[15]

چین نے مسلمانوں کی مقدس کتاب 'قرآن مجید' کو جلانے کے واقعہ کی شدید مذمت کی اور کہا کہ تہذیبوں کے درمیان تنازعات اور دشمنی پیدا کرنے کے لیے نام نہاد "آزادئ اظہار" کا کوئی جواز نہیں- چینی وزارت خارجہ کے ترجمان وانگ وین بن نے ایک نیوز چینل کو بریفنگ کے دوران بتایا کہ چین مسلمانوں کی کتاب قرآن مجید کو نذر آتش کرنے کی شدید مذمت کرتا ہے- چین تہذیبوں کے درمیان شدت اور مذاہب کے فوبیا کی سختی سے مخالفت کرتا ہے-[16]

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی (UNGA) کی قرار داد نمبر 167/66 (2011) کے مطابق دنیا کے بہت سے حصوں میں موجود عدم برداشت، امتیازی سلوک اور تشدد کی کارروائیوں پر ایسے اقدامات جو خاص طور پر مذہب یا عقیدے کی بنیاد پر افراد کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے ہیں ناقابل برداشت ہیں جو مختلف قوموں کے درمیان نفرت اور تشدد کی فضا پیدا کرتے ہیں-مزید یہ کہ اسمبلی کے پلیٹ فارم پر اس طرح کے واقعات کی روک تھام اور مذہبی و ثقافتی احترام کی اہمیت پر زور دیا گیا-[17]

یورپی یونین نے سویڈن میں قرآن کریم کو نذر آتش کرنے پر اپنے 'سخت ردِ عمل' کا اظہار کیا ہے اور اس عمل کو 'جارحانہ، بے عزتی پر مبنی اور اشتعال انگیزی کا واضح عمل' قرار دیا ہے- یورپی یونین کے مطابق یہ عمل کسی بھی طرح یورپی یونین کی رائے کی عکاسی نہیں کرتا-یورپی یونین کے بیان کے مطابق قرآن کریم جلانے کا عمل اس لحاظ سے بھی زیادہ افسوس ناک ہے کہ یہ ایسے وقت میں کیا گیا جب مسلمان عید الاضحیٰ منا رہے تھے-[18]

اقوامِ متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق (UNHR) نے 28 جون 2023ء کو سوئیڈن میں قرآن پاک کے نذرِ آتش کے واقعہ پر ہنگامی بحث کا آغاز کیا، دنیا میں بڑھتے ہوئے نفرت انگیز اور اشتعال انگیز واقعات پر تشویش کا اظہار کیا- سوئٹزرلینڈ کے شہر جنیوا میں ہونے والے اجلاس میں اقوام متحدہ کے ہیومن رائٹس ہائی کمشنر والکر ترک نے کہا ہے کہ بظاہر قرآن مجید نذرِ آتش کرنے جیسے واقعات اشتعال انگیزی اور تقسیم پیدا کرنے کی سوچی سمجھی کوشش لگتے ہیں- اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے اعلیٰ عہدیدار نے مذہبی رواداری اور احترام کی تکریم پر زور دیا- انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر والکر ترک نے کہا ہے کہ:

"مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر اور کارروائیاں جو یہودی، عیسائی اور دیگر غیر مسلم اقوام کی دشمنی کا سبب بنتی ہیں سراسر غلط ہیں مزید انہوں نے کہا کہ نسل پرستی، نسلی امتیاز، زینوفوبیا، عدم برداشت، صنفی امتیاز اور انتہا پسندی کے عوامل تنازعات بڑھانے کا سبب بنتی ہیں- سلامتی کونسل نے متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی جس میں دیگر چیزوں کے علاوہ رکن ممالک پر زور دیا کہ وہ عوامی سطح پر تشدد، نفرت انگیز تقریر اور انتہا پسندی کی مذمت کریں اور ان کی حوصلہ افزائی

[14] I.b.i.d

[15] https://www.bbc.com/urdu/articles/c3g2l512wgwo

[16] https://www.bbc.com/urdu/articles/c3g2l512wgwo

[17] https://documents-dds-ny.un.org/doc/UNDOC/GEN/N11/468/84/PDF/N1146884.pdf?OpenElement

[18] https://www.independenturdu.com/node/140791

کریں کہ وہ عدم برداشت کے نظریے کے پھیلاؤ اور نفرت پر اکسانے کو روکیں"۔[19]

اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل (UNHRC) کی طرف سے منظور کردہ قرارداد 16/18 کے مطابق:

"عدم برداشت کا مقابلہ کرنا، منفی تصورات، تشدد پر اکسانے کے واقعات، امتیازی سلوک اور مذہب یا عقیدے پر تشدد جیسے واقعات اقوام کے درمیان نفرت اور باہمی ہم آہنگی کو ختم کرنے کے مترادف ہیں اس طرح کے نتائج کی روک تھام کیلئے تمام ممالک کی حکومتوں کو مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے جو افراد کو امتیازی سلوک اور نفرت انگیز جرائم سے تحفظ فراہم کرکے بین المذاہب اور بین الثقافتی کوششوں میں اضافے کا سبب ہوں"۔[20]

ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ عظیم دوم کے بعد نیشنل، ریجنل اور انٹر نیشنل آرگنائزیشنز کا رجحان بڑھا- ان تنظیموں کا مقصد دنیا میں امن وامان کی صورت حال کو متوازن رکھنا تھا لیکن نتائج اس کے برعکس نظر آتے ہیں کیونکہ صرف پیپر ورک کافی نہیں امن وامان کو بیلنس رکھنے میں دنیا میں کام کرنے والے ادارے ان حالات و واقعات کے سنگین رزلٹ سے بچنے کیلیے وقتی کام کرتے دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کی طرف سے ہونے والے فیصلوں پر عمل درآمد نظر نہیں آتا- موجودہ صورت حال میں سویڈن، ہالینڈ اور ڈنمارک کے یکے بعد دیگرے اس طرح کے گھناونے افعال کے بعد جنرل اسمبلی کی طرف سے ہر سال 15 مارچ کو اسلاموفوبیا کا دن منانا ایک اچھا اقدام ہے لیکن خود کو امن و استحکام قائم رکھنے کا دعویدار کہنے والا ادارہ (اقوام متحدہ) ان ممالک پر کوئی ٹھوس اقدام نہیں کرتا جو اس طرح کی نفرت بھرے واقعات کا سبب بنتے ہیں- روک تھام کی بحث جنرل اسمبلی اور ہیومن رائٹس کے فورم پر تو نظر آتی ہے لیکن اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل (جو کہ ایک مین آرگن ہے) میں کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہے- مغربی سپر پاورز جو انسانی حقوق کے ٹھیکیدار کہلاتے ہیں دنیا کی ایک بڑی آبادی والی قوم کی مقدس کتاب کی پامالی پر فوراً ایکشن لینے سے قاصر ہیں جو اس کی بے حسی کی واضح مثال ہے- اس بے حسی کے بعد ایسے اداروں اور سپر پاور کو مردہ پاور یا مردہ ادارارے نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے-

اس تمام بحث کا اختتام اس نتیجہ کی طرف لے کر جاتا ہے کہ یہ صرف اور صرف امت مسلمہ کا مسئلہ ہے اس کا دکھ اور درد بھی صرف اسی قوم کا ہے- جب تک مسلم اکابرین اور اسلاف علم کے ذریعے جہاد کرتے رہے تب تک دنیا کی کسی قوم میں مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی سکت نہیں تھی- موجودہ صورت حال میں روزانہ کی بنیاد پر کئی کتابیں اور پمفلٹ اسلام مخالفت میں لکھ کر پبلش کیے جارہے ہیں جبکہ اس کو counter کرنے کے لئے مسلم دنیا کی طرف سے نہ ہونے کے برابر کام کیا جا رہا ہے- اسلام مخالف قوتوں کو بھرپور جواب دینے کے لیے مسلم دنیا کو فعال کردار ادا کرنا ہوگا- اسلامی دنیا کے 57 ممالک کو ہر پلیٹ فورم پر اسلام مخالف قوتوں کے خلاف آواز بلند کرنا ہوگی- مسلم دنیا کی (انٹرنیشنل آرگنائزیشن) اسلامی تعاون تنظیم کے تمام ممالک کو متحد ہو کر اسلام مخالف قوتوں کو روکنا ہوگا- مغربی طرز کو فالو کرتے ہوئے دشمن ممالک کے ساتھ سماجی اور معاشی تعلقات کا بائیکاٹ کرنا ہوگا- اسلام مخالف قوتوں کو جواب دینے کے لیے مسلم دنیا کی طرف سے بین الاقوامی میڈیا پلیٹ فورم بنانا ہوگا- "Islam Is Peace" کے موضوع پر انگلش اور دوسری مغربی زبانوں میں لٹریچر مغرب کی نسل نو میں پھیلانا ہوگا تاکہ نئی نسل کی اسلام مخالف سوچ کو تبدیل کیا جاسکے- مسلم اُمہ کو روزانہ کی بنیاد پر پبلش ہونے والے اسلام مخالف مواد کو روکنا ہوگا- یہ وہ اقدامات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر توہین قرآن اور توہین مذہب جیسے واقعات کو روکا جاسکتا ہے-

☆☆☆

[19] https://press.un.org/en/2023/sc15321.doc.htm#:~:text=By%20the%20terms%20of%20Council,consistent%20with%20applicable%20international%20law.

[20] https://www2.ohchr.org/english/bodies/hrcouncil/docs/16session/a.hrc.res.16.18_en.pdf

تحفظ تکریمِ قرآن مجید اور عالم اسلام کا اضطراب

مفتی محمد شیر القادری
صدر تحقیق: دارالعلوم جامعہ غوثیہ عزیزیہ انوارِ حق باھو سلطان

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے دو عظیم چیزوں کا انتخاب فرمایا- ایک نبوت و رسالت کا اجرا فرمایا اور دوسرا آسمانی کتب اور صحائف کا نزول فرمایا جس طرح حضور نبی کریم خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین (ﷺ) جملہ انبیاء و رسل (علیہم السلام) میں افضل ترین مقام رکھتے ہیں- اسی طرح آپ (ﷺ) پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید بھی جملہ آسمانی کتب و صحائف میں افضل ترین مقام رکھتی ہے-

قرآن کریم بلاشک وشبہ سراپا ہدایت ہے اور لوگوں کی ہدایت ہی کے لئے نازل کیا گیا ہے- جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ“[1]

”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں“-

قوموں کے عروج و زوال کا انحصار بھی قرآن مجید پر ہے- آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ“

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعے کچھ قوموں کو بلند کرے گا اور کچھ کو گرا دے گا“-[2]

اور صحیح مسلم شریف میں ہے:

”حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، پس اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اُسے مضبوطی سے تھام لو- پھر رسول اللہ (ﷺ) نے کتاب اللہ (کے احکامات پر عمل کرنے پر) اُبھارا اور اس کی طرف ترغیب دلائی- اور پھر فرمایا: دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں اور یہ جملہ آپ (ﷺ) نے تین مرتبہ فرمایا“-[3]

امام دارمی السمرقندی (المتوفی: 255ھ) ”سنن دارمی“ میں نقل کرتے ہیں:

”سیدنا حضرت علی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو فرماتے ہوئے سنا: عنقریب فتنے پیدا ہوں گے- میں نے عرض کیا ان فتنوں سے نجات کیسے ممکن ہو گی؟ تو رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ کتاب اللہ سے- پھر آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ کتاب اللہ میں تم سے پہلے والوں کی خبر ہے اور تم سے بعد والوں کی خبر ہے اور تمہارے آپس کے معاملات کے احکام میں کتاب اللہ فیصلہ کن کتاب ہے- یہ کوئی مذاق نہیں ہے- یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کو کوئی جابر آدمی چھوڑے تو اللہ تعالیٰ اس کی کمر توڑ دے گا- جس نے اس

[1](البقرہ:185)
[2]صحیح مسلم، كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت
[3]صحیح مسلم، كتاب الْفَضَائِلِ، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت

کے علاوہ ہدایت تلاش کی اللہ اسے گمراہ کردے گا اور یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور یہی کتاب حکمت والی نصیحت ہے اور یہی صراط مستقیم ہے-یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کے ذریعے زبانیں مشتبہ نہیں ہوتیں اور علماء اس سے سیر نہیں ہوتے اور کثرت استعمال کی وجہ سے یہ پرانی نہیں ہوتی اور اس کے عجائبات ختم نہیں ہوں گے"-[4]

قرآن کریم ایسی عظمت و شان والی کتاب ہے کہ اس کا پڑھنا عبادت ہے بلکہ اس کے ہر ہر حرف پر دس دس نیکیوں کے ملنے کی بشارت ہے-دوسرا اس کلامِ پاک کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ جب یہ پڑھا جارہا ہو تو سب کو خاموشی سے سننے کا حکم ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ"[5]

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو"-

قرآن کریم کی عزت اور احترام کو اس فرمانِ عالیشان سے بھی سمجھا جاسکتا ہے-ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ"[6]

"اسے نہ چھوئیں مگر باوضو"-

امام حکیم ترمذی (المتوفی:320ھ)"نوادر الاصول" میں روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے افضل ہے، اور اِس کی فضیلت ہر کلام پر ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت اس کی مخلوق پر ہے-جس نے قرآن مجید کی عزت کی یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی اور جس نے قرآن کریم کا احترام نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت نہ کی"-[7]

امام شرف الدین نووی فرماتے ہیں کہ:

مسلمانوں کا قرآن کریم کی حفاظت اور حرمت پر اجماع ہے اور ہمارے اصحاب (شوافع) اور دیگر آئمہ یہی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے قرآن کریم کی بے حرمتی کی تو وہ کافر ہو جائے گا"[8]-

علامہ شمس الدین، ابو العون محمد بن احمد السفارینی الحنبلی (المتوفی:1188ھ) لکھتے ہیں کہ:

"امام نووی نے تبیان اور ابن مفلح نے الآداب میں ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کا قرآن پاک کی تعظیم، پاکی اور حفاظت کے وجوب پر علی الاطلاق اجماع ہے اور مسلمانوں کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ جس نے قرآن پاک کے ایک حرف کا بھی انکار کیا جس پر اجماع ہو چکا ہے یا ایک حرف بھی جان بوجھ کر بڑھایا تو وہ کافر ہے"-[9]

---

[4]سنن الدارمي، كِتَاب فَضَائِلِ الْقُرْآنِ، الناشر: دار المغني، المملكة العربية السعودية
[5](الاعراف:204)
[6](الواقعة:79)
[7]نوادر الأصول في أحاديث الرسول (ﷺ)، جز:3، ص:260، الناشر: دار الجيل-بيروت
[8]التبيان في آداب حملة القرآن، جز: 1، ص: 190، الطبعة: الثالثة مزيدة ومنقحة، (1414 ھ - 1994 م)، الناشر: دار ابن حزم للطباعة والنشر والتوزيع-بيروت-لبنان
جزء فيه ذكر اعتقاد السلف فى الحروف والأصوات، جز:1، ص:76، الناشر: مكتبة الأنصار للنشر والتوزيع
المجموع شرح المهذب، جز:2، ص:71، الناشر: دار الفكر
[9]غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب، جز:1، ص:414، الناشر: مؤسسة قرطبة-مصر

امام اَبو عبد اللہ، شمس الدین المقدسی الرامینی الحنبلی (المتوفی:763ھ) لکھتے ہیں کہ:

"قرآن کریم اور ذکر اللہ کو کسی نجس چیز کے ساتھ یا کسی نجس چیز پر یا کسی نجس چیز میں لکھنا حرام ہے-(کیونکہ یہ قرآن کریم اور ذکر اللہ کی بے حرمتی اور بے ادبی ہے)"[10]-

امام المتکلمین علامہ سعد الدین التفتازانی الشافعی (المتوفی :793ھ) لکھتے ہیں:

"پس اگر یہ کہا جائے کہ جس نے شریعت، شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے حرمتی کی یا مصحف شریف کو بے حرمتی کے مقام پر پھینکا یا اپنے اختیار کے ساتھ زنار باندھا تو بالاجماع کافر ہو جائے گا"-[11]

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی:791ھ لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بعض معاصی ایسے ہیں جن کو شارع (علیہ السلام) نے تکذیب کی علامت قرار دیا ہے اور ان کا اس طرح ہونا دلائل شرعیہ سے معلوم ہے- جیسے بت کو سجدہ کرنا اور مصحف (قرآن مجید) کو گندگی میں پھینک دینا اور کلمات کفریہ بولنا جن کا دلائل سے کفر ہونا ثابت ہے"-[12]

امام قرطبی (المتوفی:671ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

"حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا قرآن کریم ہر شئے سے افضل ہے جس نے قرآن کریم کی تعظیم کی یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجا لائی اور جس نے قرآن کریم کی تحقیر کی اس نے اللہ تعالیٰ کے حق کی تحقیر کی- حاملین قرآن رحمتِ الٰہی سے ڈھانپے ہوئے ہیں- کلامِ الٰہی کی تعظیم کرنے والے، نورِ الٰہی سے ملبوس ہیں- جس نے ان سے دوستی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے حقِ خداوندی کی توہین کی"-[13]

امام ابو الفضل قاضی عیاض مالکی (المتوفی:544ھ) لکھتے ہیں:

اور جان لو کہ جس نے قرآن کریم یا مصحف شریف یا اس میں سے کسی شئے کی توہین کی یا اُسے گالی دی یا اس کا انکار کیا یا اس میں سے کسی حرف یا آیت یا کسی جزو کی تکذیب کی یا قرآن کریم کے ثابت شدہ احکام یا خبر کا انکار کیا یا اس کے کسی ثابت شدہ حکم کی نفی کی یا جس کی نفی کی گئی ہے جان بوجھ کر اس کو ثابت یا اس میں کسی بھی کسی قسم کا شک کیا تو اہل علم کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہو گیا"-[14]

قاضی عیاض مالکی مزید لکھتے ہیں:

"اور بلاشبہ مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ روئے زمین پر کتابی شکل میں دو گتوں کے درمیان پڑھا جانے والا قرآن مجید جس کی ابتداء "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" اور انتہاء "قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اُس کی طرف سے اُس کے نبی حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہونے والی وحی ہے اور جو اس میں ہے وہ سب حق ہے- جس نے جان بوجھ کر اس کے کسی ایک حرف کو بھی کم کیا یا اس کی جگہ پر کسی دوسرے حرف کو بدلا یا اس میں کسی ایسے حرف کا اضافہ کیا جو اجماع شدہ مصحف میں شامل نہیں ہے تو وہ کافر ہے"-

امام المحدثین حضرت امام بخاری روایت نقل کرتے ہیں کہ:

[10]الآداب الشرعية والمنح المرعية، جز:2، ص:285، الناشر: عالم الكتب

[11]شرح المقاصد فی علم الکلام، جز:2، ص:267، الناشر: دار المعارف النعمانية-باكستان

[12]شرح عقائد نسفی، ص:85، مطبوعہ کراچی

[13]تفسير الجامع لأحكام القرآن، جز:1، ص:26، الناشر: دار الكتب المصرية–القاهرة

[14]الشفا بتعريف حقوق المصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، جز:2، ص:646، الناشر: دار الفيحاء–عمان

"رسول اللہ (ﷺ) نے دشمن کے علاقے میں قرآن کریم ساتھ لے کر سفر کرنے سے منع فرمایا ہے"۔[15]

علامہ بدرالدین عینی "عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری" میں لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"دشمن کے علاقے میں قرآن کریم ساتھ لے کر سفر کرنے سے منع کرنے میں یہ حکمت ہے کہ کہیں دشمن چھین نہ لے اور بے ادبی نہ کرے۔یعنی قرآن کریم کی توہین کے خوف کی وجہ سے منع فرمایا گیا ہے۔اگر دشمن کی طرف سے قرآن کریم کی توہین کا خوف نہ ہو تو پھر ساتھ لے کر سفر کرنے سے منع نہیں ہے"۔

حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں کہ:

"یہود کے کچھ لوگ آئے اور رسول اللہ (ﷺ) کو دعوت دی، جب آپ (ﷺ) ان کے پاس بیتُ المِدراس میں تشریف لے گئے تو وہ کہنے لگے: اے ابو القاسم (ﷺ)! ہم میں سے ایک شخص نے ایک عورت سے بدکاری کی ہے، آپ ان کا فیصلہ فرما دیجئے، ان لوگوں نے رسول اللہ (ﷺ) کیلیے ایک تکیہ لگایا، آپ (ﷺ) اس پر ٹیک لگا کر بیٹھے، پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: "میرے پاس تورات لاؤ"۔ چنانچہ تورات لائی گئی، جب تورات شریف لے آئے تو آپ (ﷺ) نے اپنے نیچے سے تکیہ نکالا اور تورات شریف کو اس پر رکھا اور فرمایا: "میں تجھ پر ایمان لایا اور اُس نبی پر جس پر اللہ نے تجھے نازل کیا ہے"۔ پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: جو تم میں سب سے بڑا عالم ہو اُسے بلاؤ۔ چنانچہ ایک نوجوان کو بلا کر لایا گیا آگے واقعہ رجم کا اسی طرح ذکر ہے جیسے امام مالک کی روایت میں ہے جسے انہوں نے امام نافع سے روایت کیا ہے"[16]۔

علامہ قاضی عیاض مالکی "الشفاء شریف" میں لکھتے ہیں:

"اور اسی طرح جس نے توریت و انجیل اور ان کتابوں کا انکار کیا جو اللہ عزوجل کی جانب سے نازل ہوئی ہیں۔ یا وہ ان سے انکاری ہوا یا ان پر لعنت کی یا ان کو گالی دی یا ان کی توہین کی تو وہ کافر ہو گیا"۔

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ

خلاصۂ کلام:

قرآن و حدیث اور اسلافِ آئمہ کی کتب سے یہ بالکل واضح ہے کہ قرآن کریم کا ادب و احترام وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔کسی کو بھی شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کے مذہبی شعار کی بے حرمتی اور بے ادبی کرے۔ حضور نبی کریم (ﷺ) نے تورات شریف کا ادب و احترام عملاً کر کے دکھایا۔حالانکہ آپ (ﷺ) کے دور مبارک میں اور اس سے قبل بھی تورات شریف میں تحریف کی جا چکی تھی۔

آئے دن جو قرآن کریم اور شعارِ اسلام کی بے ادبی اور بے حرمتی کے واقعات دیکھنے کو آتے ہیں ان لوگوں کو اپنی مذہبی تعلیمات کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دنیا کا کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو کسی دوسرے مذہب کے شعار کی توہین کرنے کی اجازت دیتا ہو۔ اس لئے ہر ملک کی ریاست کا یہ حق بنتا ہے کہ ایسے ناقابل برداشت واقعات کی روک تھام کرنے میں اپنا فرضِ منصبی ادا کرے اور ایسے سنگین جرم پر عبرت ناک سزا دے تاکہ دنیا کے اندر امن قائم کیا جا سکے۔

☆☆☆

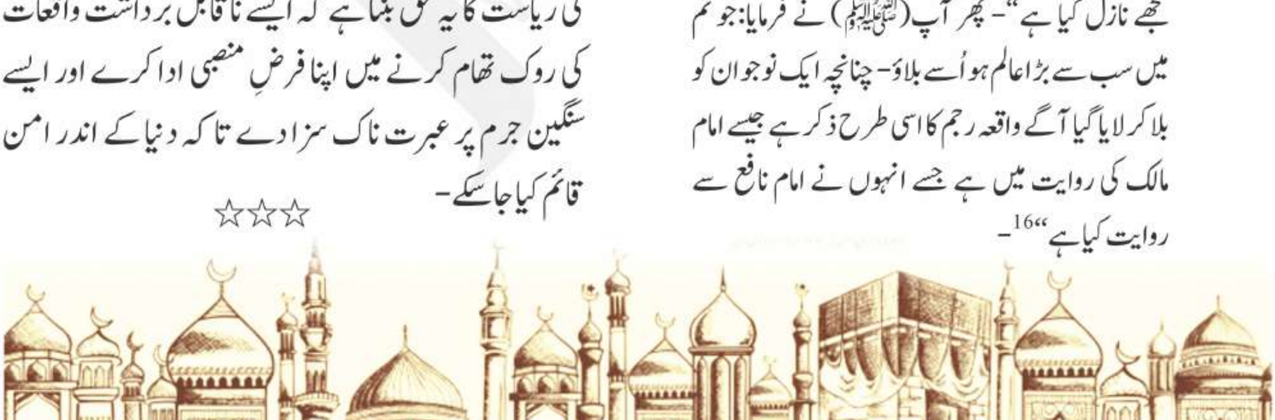

[15] صحیح البخاری، کِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، الناشر: دار طوق النجاة

[16] سنن أبي داود، كِتَاب الْحُدُودِ، بَابٌ فِي رَجْمِ الْيَهُودِيَّيْنِ، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا - بيروت

کا عصرِ حاضر کے رجحانات میں جائزہ

مفتی محمد اسماعیل خان نیازی

تمام اہلِ طریقت کی تمام عظیم شخصیات جن سے بہ کثرت سلاسلِ تصوف نے اکتسابِ فیض کیا ان میں سب سے ممتاز مقام سیدی مرشدی محی الدین پیرانِ پیر شیخ عبد القادر الجیلانی البغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت کا ہے- اہلِ طریقت کا آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذاتِ اقدس سے نسبت وعقیدت میں پختگی وو ارفتگی کو الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے- فقر وولایت میں دیے گئے اسماء و القاب آپؒ کی عظمت واعترافِ عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں- مثلاً: غوث الاعظم، غوث الثقلین، قطبِ ربانی، شاہبازِ لامکانی، باز اللہ الاشہب، میراں، محی الدین، دستگیر، واہب المراد، قطب الارشاد، مرجع الاوتاد، شہنشاہ بغداد، اِن کے علاوہ بھی کثیر ہیں-

عوام الناس میں آپؒ کا عام طور پر تعارف ”تصوف“ کے حوالے سے کیا جاتا ہے اور اس میں شک بھی نہیں ہے اور آپؒ کی شانِ اقدس کا یہ پہلو بلاشک وشبہ ضرور ہے- لیکن آپؒ کی شخصیت کا ایک بنیادی پہلو آپؒ کے علم کی عظمت وشان کا بھی ہے جس کو فی زمانہ بہت کم علماء کرام بیان کرتے ہیں- حالانکہ تمام سلاسل آپؒ سے اکتسابِ فیض کا دعوٰی کرتے ہیں بلکہ کوئی بھی صاحب ولایت آپؒ کے درِ اقدس کی چاکری کے بغیر دعوٰی ولایت میں صادق نہیں ہو سکتا- جیسا کہ حضرت سُلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

”ہر طریقہ کہ جس خانوادہ کو بھی دولت ونعمت ملی حضرت شاہ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی بارگاہ اقدس سے ملی، جو بھی قادری طریقے کا منکر ہوا وہ دنیا وآخرت میں مردود ہوا“-[1]

ایک اور مقام پہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

ہر کہ او بندہ خدا امت نبیؐ
خاک بوسی می کند با قادری

”جو بھی اللہ عزوجل کا بندہ اور حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا امتی ہے وہ بارگاہِ قادریہ کی خاک بوسی کرتا ہے“-[2]

اس لیے ہمارے لئے لازم ٹھہرتا ہے کہ جہاں ہم آپؒ کے چشمۂ رُوحانیت سے اپنی پیاس کو بجھاتے ہیں وہاں ہم پر یہ بھی لازم ہے کہ دینِ مُبین کے جس علم کی محافظت و آبیاری غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) نے کی ہے اس علم کے چشمے سے بھی خود کو سیراب کریں- متعدد سیرت نگاروں نے آپؒ کے متعلق لکھا ہے کہ:

”جب آپؒ اپنی والدہ کے حکم سے پڑھنے کیلئے آئے تو 30 برس تک آپؒ بغداد کے مختلف شیوخ سے علمِ فقہ، علمِ حدیث، علمِ تفسیر اور علمِ تصوف علم حاصل کرتے رہے“-

محمد بن یحیٰ التاذفی (رحمۃ اللہ علیہ) ”قلائد الجواہر“ میں لکھتے ہیں کہ:

”سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے جد امجد اپنے نانا جان آقا دوعالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث کے حافظ تھے“- (یعنی آپؒ حافظ الحدیث[3] تھے)-

اللہ تعالیٰ نے غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کو اتنی علمی وسعت عطا فرمائی تھی کہ آپؒ نے مختلف موضوعات پہ کئی کتب رقم فرمائیں اور آپؒ کی کتب مبارکہ کی طویل ترین فہرست ہے- کچھ کتب مبارکہ تو منظرِ عام پر ہیں جبکہ آپؒ کی بے شمار کتب تاتاریوں کے بغداد پر حملے کے دوران ضائع ہو گئیں- اسی طرح آپؒ نے قرآن مجید کی دو تفاسیر مرتب فرمائیں- ایک کا نام ”مسک الختام“ ہے جو کہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے مگر اس کا خطی نسخہ کتب خانۂ بغداد شریف میں موجود ہے- دوسری ”تفسیر الجیلانی“ جو کہ 6 جلدوں پر محیط ہے، استنبول اور بیروت سے چھپتی رہتی ہے-

[1] عقل بیدار، ایڈیشن: 9، ص: 174
[2] ایضاً
[3] حافظ حدیث وہ ہے جسے کم از کم ایک لاکھ احادیث متن اور اسناد کے ساتھ زبانی یاد ہوں اور وہ اس کی (سند میں آنے والے تمام) راویوں کے احوال اور اس کی جرح وتعدیل اور تاریخ سے واقف ہو-

ابھی ہم آپؒ کی تصنیف لطیف ”الفواتح الالھیة و المفاتح الغیبیة الموضحة للکلم القرآنیة والحکم الفرقانیة، المسمیٰ تفسیر الجیلانی (رضی اللہ عنہ)“ کو عصر حاضر کے تناظر میں لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں-

عقلِ محض سے اللہ عزوجل کو پرکھنے والوں کا رد:

آج روشن خیالی اور ماڈرنزم کے نام پر الحاد کی جدید شکل بعض مقامات پہ دیکھنے کو ملتی ہے وہ ہے دہریت (ذاتِ باری تعالیٰ کا معاذاللہ انکار) اور اللہ عزوجل کی ذاتِ اقدس کو محض عقلی پیمانوں پر پرکھنا اور یہ نفس و شیطان کا ایسا کاری وار ہے جس کے بعد وہ خود کو ہر اسلامی ضابطے و قانون سے آزاد تصور کرتا ہے- آپؒ اپنی تفسیر میں ان لوگوں کے افکار کا قلع قمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اللہ عزوجل کی ذاتِ مقدسہ اس بات سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے کہ ہر پینے والے کا گھونٹ بن سکے اور اس سے ارفع ہے کہ ہر مسافر کا مقصود بن سکے، اس کی تلاش کرنے والا بھی عجیب ہوتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر متلاشی تلاش کے اس مقام پر کھڑا ہوتا ہے جس میں ”مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ“ (ہم نے تجھے اس طرح نہیں پہچانا جس طرح تجھے پہچاننے کا حق ہے) کے سوا کوئی گنجائش نہیں -اللہ عزوجل کی ذاتِ اقدس لوگوں کے علم سے بہت بلند ہے“-[4]

سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں:

کچھ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ جب قرآن پاک میں سب کچھ موجود ہے اس لیے قرآنی احکام پہ عمل کر لینا ہی کافی ہے- حالانکہ ان ناعاقبت اندیشوں کو اس بات کا علم نہیں کہ خود قرآن پاک اطاعت اور اتباعِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا درس دیتا ہے- قرآن پاک کے ان اجمالی احکامات کو اپنے لیے کافی سمجھنے والوں کو آپؒ درسِ نصیحت یوں ارشاد فرماتے ہیں:

”یاد رکھنا غور و خوض اور تامل تجھے اس وقت تک میسر نہ آئے گا جب تک تو آقا دوعالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ارشادات عالیہ پر عمل کر کے اپنے ظاہر کی صفائی حاصل نہ کرے گا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چل کر پاکیزگی حاصل نہ کرے گا کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام ارشادات در اصل قرآنی کلمات سے ہی حاصل کئے گئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ تُو جب تک اپنے باطن کو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے افعال و اخلاق سے مزین نہ کرے گا“-[5]

مرشد کامل کے سامنے ”تسلیم و رضا“ کا پیکر بننا:

آج مادیت کے دور میں مرشد و رہبر کامل کی تلاش و طلب اول تو لازماً سمجھی نہیں جاتی- اگر کہیں اس کو تسلیم کرنے والے مل ہی جائیں تو اس کے تقاضوں کا نظر انداز کر دیا جاتا ہے- بلاشبہ طالب پہ لازم ہے کہ اپنی تلاش و جستجو کے پیمانوں کو سو فیصد رکھے اور نقلی و جعلی عاملوں سے اپنے دامن کو بچائے- لیکن جب اس کو کسی کامل کا آستان مل جائے تو سیّدنا غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کی تعلیمات ذہن میں رکھنی چاہئیں جیسا کہ آپؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”جو گفتگو اور سوال و جواب جناب موسیٰ اور خضر (علیہما السلام) کے درمیان ہوئے- اس سے ہر وہ شخص جو عارف، لبیب، طالب اریب اور ادیب ہے - وہ سمجھ جاتا ہے کہ کسی سے کوئی فائدہ حاصل کرنے اور رشد و ہدایت کی شرط اور اپنے (باطن کی) تکمیل اور رہنمائی کی طلب کا اصول یہ ہے کہ مرید اور رُشد و ہدایت کا طالب اپنے نفس کو کامل و مکمل مرشد کے سامنے ارادی موت سے مار ڈالے- اس طرح کہ مرشد کے سامنے معارضہ و مقابلہ کرنے کے درپے نہ رہے- اگر چہ اسے اپنے گمان کے مطابق یقین ہو کہ مرشد کا فعل عقل و شرع سے خارج ہے بلکہ مرشد کے ایسے فعل کو انتہائی درست اور انتہائی کامل شمار کرے- بحث و مباحثہ اور جدال سے خاموش رہے- اس لئے کہ جب اس نے اپنا معاملہ مرشد کے سپرد کر دیا- اسے اپنا وکیل بنالیا اور اسے اپنا ضامن و کفیل بنالیا، تو یقیناً وہ اس میں فنا ہو گیا اور اس کی بقاء سے باقی ہے- لہٰذا اب اس کی قوتوں، اعضاء، مدارک و مشاعر کا تصرف اصلاً باقی نہ رہا، اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے ایسی رحمت بخش دے جو ہمیں ہمارے نفوس کی من گھڑت باتوں سے نجات دے دے“-[6]

وصالِ الٰہی کی دعوت:

الحمد للہ! مسلمانوں کی اکثریت اسلام و ایمان پہ عمل پیرا تو ہے لیکن ”احسان“ جو کہ حدیث جبریلؑ کا لازمی حصہ ہے- اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ عرفاء و صلحاء کے نزدیک عبادت کا مقصود ہی اس مقام تک پہنچنا اور ان کیفیات سے لطف اندوز ہونا

---

[4] الجیلانی، عبدالقادر، الفواتح الالھیة و المفاتح الغیبیة الموضحة للکلم القرآنیة و الحکم الفرقانیة، المسمیٰ تفسیر الجیلانی (مکتبۃ المعروفیه، کوئٹه، پاکستان)، ص:51

[5] ایضاً، ص:64

[6] ایضاً، ج:3، ص:222

ہے - آپؒ نے اس مقام کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے اور اس کا عملی طریق بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”یہ حالت (حالتِ معراج) اس وقت تک میسر نہیں ہوتی جب تک اوصاف بشریہ کے تقاضوں سے ارادی موت مر نہ جائے اور پسندیدہ اخلاق اور اعلیٰ و ارفع عادت سے اپنے آپ کو مزین نہ کر لیا جائے“-[7]

مزید ایک اور مقام پہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

”یہ مقام و مرتبہ تجھے اس وقت حاصل ہو گا - جب تو اپنی موت ارادی اختیاری (یعنی ”مُوتُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا“) سے اپنے اوصاف بشریہ کے تقاضوں کو ختم کر دے گا اور یہ بات مشکل اور گراں گزرنے والی ریاضتوں سے حاصل ہوتی ہے جو خواہشات و غفلتوں کے میل کو اکھیڑ پھینک دیتی ہے اور ان عادات کو خیر باد کہنے سے حاصل ہوتی ہے جو جاہل لوگوں کے نفوس میں رچی بسی ہوتی ہے؛ اور عزلت و خلوتوں کی طرف جھکاؤ سے پیدا ہوتی ہے؛ اور تخمین و تقلید والے لوگوں کی رسوم سے منقطع ہونے پر حاصل ہوتی ہے اور عام اوقات و حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف کٹ جانے سے حاصل ہوتی ہے“-[8]

اللہ تعالیٰ، آقا کریم (ﷺ) اور کتاب اللہ لازم و ملزوم:

”وہ پیغمبر اعظم (ﷺ) جنہیں اللہ عزوجل نے اپنی صورت پر پیدا فرمایا، جنہیں تمام کائنات کی طرف مبعوث فرمایا“-[9]

کچھ لوگ (یہود و نصاریٰ وغیرہ) جو اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کو تو مانتے ہیں لیکن آقا کریم (ﷺ) کی اتباع کو لازم نہیں سمجھتے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن مجید ہی کافی ہے اور وہ سنتِ رسول (ﷺ) کو معاذ اللہ پس پشت ڈال دینے میں عار نہیں سمجھتے؛ ان کارد بلیغ آپؒ نے یوں ارشاد فرمایا:

”یہ بھی تمہارے علم میں ہے کہ اسباب کا سلسلہ اس کی ذات مقدسہ پر ختم ہوتا ہے اس کے سوا کوئی موجود نہیں بلکہ موجود صرف اور صرف وہی ہے اور وہی ہے جس کے قبضہ قدرت میں غیب کی کنجیاں ہیں - اس مقام کی تحقیق اور اس مقصد تک رسائی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنا نہ لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہو جانا اس وقت تک میسر نہیں آتا جب تک اس ذات کی متابعت نہ ہو جو اس کے اخلاق کی کامل و مکمل جامع ہے اور اخلاق باری تعالیٰ سے مکمل مزین ہونے والے حضرات میں ہمارے پیغمبر (ﷺ) سب سے زیادہ کامل ہیں اور آقا کریم (ﷺ) جو اخلاقِ الٰہیہ سے بہ طریقیہ اکمل متصف ہیں کے اخلاق سے متصف اس وقت تک نہیں ہوا جا سکتا جب تک اس کتاب کو راہنمانہ بنایا جائے جو اللہ تعالیٰ کے تمام اخلاق کی جامع ہے اور آپ (ﷺ) کے مرتبہ پر نازل کی گئی ہے“-[10]

مزید ہدایت کو آقا کریم (ﷺ) کی اتباع سے مشروط کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”اس کتاب سے رشد و ہدایت اس بات پر موقوف ہے کہ آدمی کسی قدر ان اوصاف سے خود کو متصف کرتا ہے جو اوصاف اس شخصیت اقدس (ﷺ) کے تھے - جن پر یہ کتاب اتاری گئی اور ان کے اخلاق سے خود کو کہاں تک متخلق کرتا ہے اور آپ (ﷺ) کے آداب کو کہاں تک سیکھتا ہے، آپ (ﷺ) کی سُنت مبارکہ پر بغیر کسی چیز کو چھوڑے اور ذرہ بھر سُستی کیے بغیر کس حد عمل کرتا ہے“-[11]

انسان؛ اللہ عزوجل کے اسماء و صفات کا مظہر:

کچھ لوگ ظاہری انسان (جو کہ بلاشبہ ایک ملے جلے نطفے کی پیدائش ہے) تک اکتفاء کر جاتے ہیں اور وہ فضائل و کمال جو اللہ عزوجل نے انسان کو عطا فرمائے ہیں ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں - آپؒ ان کو جھنجھوڑتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”وہ (اللہ) وہی ہے جس نے زمین پر تمہیں خلیفہ بنایا اور اس نے تمہاری صورت اپنی صورت پر بنائی اور اپنے تمام اوصاف و اسماء کا تمہیں مظہر بنایا“-[12]

مزید ارشاد فرمایا: ”مظہر کامل و جامع کہ جس سے اسماء و صفات الٰہیہ کے تمام آثار علی التفصیل چمکتے ہیں وہ انسان کامل ہے - اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی صورت پر پیدا فرمایا اور اپنی تمام مخلوقات میں سے اس کو خلیفہ بنایا اور اپنی تمام مخلوق پر اس کو بزرگی بخشی اور اسے اپنے معارف و حقائق کے طیبات میں سے رزق دیا اور بذاتہٖ اس کے خیر کی طرف التفات فرمائی - اپنے رسول بھیج کر اس کی تربیت کے بعد اور اپنی کتابیں نازل فرما کر اس کی پرورش کی تاکہ اس میں سے وہ تمام کمالات جو اللہ کے اسماء حسنٰی اور صفات علیا پر مرتب ہوتے ہیں جو اس میں ودیعت کئے گئے ہیں ان کا ظہور ہو - حتیٰ کہ یہ مرتبۂ خلافت و نیابت پر متمکن ہو سکے اور توحید کے آرام گاہ میں مقیم ہو - اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کرتے

---

[7]ایضاً، ص:66
[8]ایضاً، ج:3، ص:53
[9]ایضاً، ج:1، ص:254
[10]ایضاً، ص:82
[11]ایضاً، ج:3، ص:315
[12]ایضاً، ص:90

ہوئے ندا فرمائی تاکہ اس کی طرف بڑھیں اور تقویٰ کی انہیں وصیت کی تاکہ اسے ہی اپنی ڈھال اور نگہبان سمجھیں"۔[13]

آدابِ تلاوت:

آج قرآن پاک کی تلاوت تو شب وروز اور ہر جگہ کی جاری ہے لیکن جب اس کے ثمرات کی بات کی جائے تو وہ ہمیں خال خال اور بہت کم نظر آتے ہیں، اس کی نشاندہی (رحمۃ اللہ علیہ) یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"پس تلاوت کے وقت تیرے لئے ضروری ہے کہ تو اپنے ظاہر اور باطن کو اپنی بشریت کے تمام لوازمات سے پاک کرے، اس حیثیت سے تجھ سے تیرا نفس غائب ہو جائے- تو ھویت اور شان فناء ہو جائے اور تجھے تیرا رب (اپنی شایانِ شان) اپنی زبان و کلام اور نطق سے گویا کرے، جب یہ حالت تجھ میں راسخ ہو گئی اور یہ حالت تیری خصلت و عادت بن گئی تو تُو اس کی تلاوت سے اپنے حصہ پر کامیاب ہو جائے گا اور خیال رکھنا کہ تو اس کی قرأۃ کے وقت اس کے محض اشارہ، اس کی روایت کی باریک بینی اور اس کی درایت کی باریک باتوں میں پڑ کر غفلت کا شکار نہ ہو جانا- جب تیرا باطن تمام آلائشوں سے صاف اور خالی ہو جائے اور تیری عادت عوائق سے مکمل طور پر خالص ہو جائے تو اب تیرے لیے صحیح ہے تو اس کتاب سے رشد و ہدایت طلب کرے- اس قدر جس قدر اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں رکھی ہے اور اس نے اپنے سابق علم میں تجھے اس کی توفیق عنایت فرمائی ہے ایک وہ جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے اور اپنی طرف سے اجابت کا حقیقی مستحق ہے"۔[14]

امر و نواہی کی پابندی میں مرشد کامل کی ضرورت واہمیت:

"اے حق کی تحقیق کے طالب! اللہ تجھے تیرے مقصد و مقصود کی بلندیوں تک پہنچا دے- تجھ پر لازم ہے کہ تو اس واضح برُہان سے تمسک کرے جو رسول کریم (ﷺ) کی طرف سے تجھ تک پہنچی- جو توحید حق پر دلالت کرنے والی ہے اور تجھ پر یہ بھی لازم ہے کہ تو قرآن کریم کے نور سے نورانیت حاصل کرے- وہ قرآن کریم جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے- وہ حق و باطل جس کا حق کے راستے میں سامنا کرنا پڑتا ہے اور تجھ پر لازم ہے کہ قرآن کریم کے اوامر پر پوری طرح عمل بجالائے جو طریق حق کی طرف پہنچانے والے ہیں اور تجھ پر یہ بھی لازم ہے کہ اس کے نواہی سے اجتناب برتے جو گمراہ کن اور حق کے راستے سے دُور لے جانے والے ہیں اور یاد رکھنا کہ یہ کام تیرے لئے یونہی آسان نہ ہو جائے گا بلکہ اس کے لئے تجھے مرشد و کامل مکمل کی خدمت کرنا پڑے گی جو اللہ کی طرف تیری رہنمائی کرتا ہے وہ ازل ذات سے اسماء وصفات کے ابد تک کھینچی ہوئی ایک لمبی رسی ہے، خبر دار اس کا نام قرآن ہے جو خیر الانام (ﷺ) پر اتارا گیا جیسا کہ رسول اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: "قرآن اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف تانی گئی"۔[15]

ایک اور مقام پر آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

"اے طالب تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ہدایت کے راستہ کی طرف قوم اور اس کی نشانیوں کی واقفیت صرف اس وقت حاصل ہو سکتی جب اللہ عزوجل کا کوئی پیغمبر، تنبیہہ کرنے والا اس پر تنبیہ اور کوئی مرشد کامل خیر بصیر اس کی راہنمائی اور اس طرف رہبری فرمائے"۔[16]

احکام شرعیہ کی ضرورت واہمیت:

"پس جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ قرآن مجید کے سمندر میں غوطہ زن ہو تاکہ یقین وعرفان کے یکتا موتی نکالے تو اس پر لازم ہے کہ وہ پہلے ان احکامِ شرعیہ پر عمل پیرا ہو، جنہیں عزائم صحیحہ کے ارباب نے قرآن کریم کے کلمات کے ظاہر سے استنباط کیا تاکہ وہ اہلِ طلب و ارادہ میں سے بیدار و ہوشیار رہنے والے حضرات کے ظواہر کے لئے مہذب ہو جائے حتی کہ اِن کی وجہ سے ان کے نفوس میں استعداد آجائے اور ان کے باطن صاف ہو جائیں تاکہ توحید کے سمندر کے چھینٹے ان پر پڑیں اور وہ اس قابل ہو جائے کہ عشق و محبت کا سلطان ان پر اُترے- اس لئے کہ توحید کے مغز کی حفاظت احکام شرعیہ کرتے ہیں"۔[17]

اللہ بس ماسوی اللہ ہوس:

تمام صوفیاء کرام بلکہ انبیاء کرام (علیہم السلام) کی بعثت کا مقصد بھی یہ یہی تھا یہ نکتہ تمام مخلوق کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے کہ اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز فانی ہے اور کائنات میں صرف اسی اکیلے وحدہ لاشریک کی ذاتِ اقدس جلوہ گر ہے اسی چیز کی وضاحت فرماتے ہوئے محبوب سُبحانی، قطبِ ربّانی سیّدی الشیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

---

[13] ایضاً، ص:338
[14] ایضاً، ج:1، ص:254
[15] ایضاً، ص:421-422
[16] ایضاً، ج:2، ص:432
[17] ایضاً، ج:1، ص:422

"اللہ عزوجل کے غیر کا وجود ہی نہیں اور اس کے سوا کا بالکل ثابت ہی نہیں - لہٰذا افعال یقینیہ، آثار محکمہ اور نظام محسوس و مشاہدہ جو اس خوبصورت ضابطہ کے ساتھ چل رہا ہے یہ سب اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کا فاعل ایک ہے لیکن یہ اس شخص کیلیے ہے جو عقل متدل کے دامن سے وابستہ ہو - اے اہل کشف و شہود اور جمال و جلال خدا کے مطالعہ میں مستغرق حضرات تو وجود میں صرف اسے ہی دیکھتے ہیں اس لیے وہ آثار، افعال، حرکات، سکنات اور کائنات میں رُونما ہونے والے حوادثات کو مطلقاً اسی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ اسناد اولاً اور بالذات ہے - وہ اسباب و وسائل کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ وہ انہیں اللہ عزوجل کی تجلیات کی شعاعیں اس کے شیوؤں کی کرنیں کہتے ہیں - اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے بندوں کو اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کے وسیلہ جلیلہ سے خطاب فرماتے ہوئے تنبیہ فرمائی کہ کائنات میں رونما ہونے والی تمام تدابیر اسی ذات کی طرف منسوب ہوتی ہیں اور بالاستقلال اس سے صادر ہوتی ہیں"-[18]

ایک اور مقام پہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

"تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ تو اس کے مظاہر اور جلوہ گاہوں کی تعظیم کرے، اس لیے کہ کائنات کے ذرّوں میں سے کوئی ایک ذرّہ ایسا نہیں جس میں حق نے ظہور نہ فرمایا ہو اور اس پر اپنے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کی تجلّی نہ فرمائی ہو - لہٰذا تیرے لئے لازم ہے کہ مظاہر کے سامنے خوشی و ناخوشی ہر طرح تواضع و عاجزی اختیار کر، تکبر و غرور مت کر"-[19]

خلاصہ کلام:

امام ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں آپ کے شیخ ابو سعید المخرمی (رحمۃ اللہ علیہ) کی تاریخ وفات 513ھ لکھی ہے- لیکن انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مدرسہ وعظ و تدریس کیلئے سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانی کے سپرد کر دیا تھا- جبکہ آپؒ کا تاریخ وصال 561ھ ہے- گویا تقریباً 48 برس تک غوث پاکؒ اس مدرسہ میں تدریس و تلقین اور علوم دین کو جاری فرماتے رہے- اس لئے جہاں آپؒ کی تعلیمات اور روحانی کمالات کا ذکر ہوتا ہے وہاں آپؒ کے وجود سے پھوٹنے والی برکت جو 48 برس تک علم کے متلاشیوں کو سیراب کرتی رہی- آپؒ کی ذات اقدس سے منسوب لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آپؒ کا فیض محض روحانی صورت میں ہی موجود نہیں بلکہ علومِ حدیث، علومِ تفسیر، علومِ فقہ میں بھی جاری ہے- بطور آپؒ کے مرید و عقیدت مند ہونے کے ہم پر یہ لازم آتا ہے کہ جہاں ہم آپ کی ذات اقدس سے اکتساب روحانی کرتے ہیں وہی ہمیں اپنی نسلوں کو آپؒ کی سنت کے مطابق علم دین کے لئے بھی وقف کرنا چاہیے-

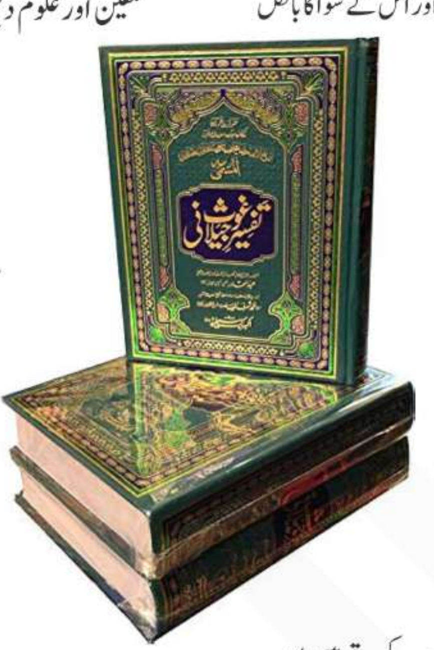

آپؒ روحانی و باطنی کمالات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے- آپؒ نے ظاہری علوم میں مہارتِ تامہ حاصل کی- اندازہ لگائیں! آپؒ کے مدرسہ سے سالانہ 3 ہزار طلباء دستارِ فضیلت حاصل کرتے تھے اور آپؒ نے ان 48 برسوں میں ایک لاکھ سے زائد علماء کو فارغ التحصیل کیا-

آخر میں محبوب سُبحانی الشیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ان فرمودات کے ساتھ اپنی معروضات کو سمیٹتے ہیں:

"تیرے لیے ضروری ہے کہ تو قرآن پاک کے اسرار و رموز میں غور و فکر کرے اور اس میں رکھے گئے رازوں کے کشف میں خوب تدبّر کرے (اور یہ تدبّر) ایسے دل کے ساتھ ہو جو وساوس اور اوہام سے مطلقاً خالی ہو اور ان کدورتوں سے بھی صاف ہو جو محض عقل والوں کی تقلید سے حاصل ہوتی ہیں اور (وہ عقل والے) اس قرآن میں ایسی آراء افہام کے ساتھ غور و خوض کرتے ہیں جو نہایت باریک اور کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ حکیم و علیم کی تائید سے محروم ہوتی ہیں- اس لیے تجھ پر لازم ہے کہ تُو اس کی طرف حاضر قلب اور عام اشغال سے فارغ و غائب دل سے متوجہ ہو جو اس ٹیڑھ پن اور گمراہی سے مطلقاً منہ پھیرنے والا ہو جو اصحاب ظواہر سے اس میں واقع ہوئی ہے جو عرف کی سمجھ کے مطابق صرف قیل و قال تک محدود ہوتے ہیں"-[20]

☆☆☆

[18] ایضاً، ج:2، ص:386

[19] ایضاً، ج:3، ص:53

[20] ایضاً، ج:5، ص:51

فتوح الغیب میں قرآنی مباحث کا مختصر مطالعہ

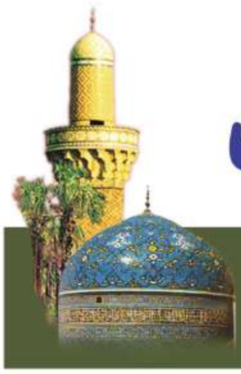

مفتی محمد منظور حسین

اولیائے کاملین ہی آقا دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی میراث کے حقیقی وارث ہیں کیونکہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی میراث میں دو چیزوں کو چھوڑا ایک کا تعلق ظاہر سے ہے اور ایک کا تعلق باطن سے ہے-

جس طرح "صحیح بخاری" کی روایت ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وِعَاءَيْنِ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبُلْعُومُ"[1]

"حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے (علم کے) دو برتن یاد کر لیے ہیں، ایک کو میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرا برتن اگر میں پھیلاؤں تو میرا یہ حلقوم کاٹ دیا جاتا"-

اسی حدیث پاک کے تحت علامہ بدر الدین عینی "عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری" میں لکھتے ہیں:

"پہلے برتن سے مراد احکام اور اخلاق کا علم ہے اور دوسرے برتن سے مراد اسرار و رموز کا علم ہے"-

اولیائے کاملین کے پاس حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا علم ظاہر اور باطن، شریعت و طریقت اور فقر و عرفان بھی ہے- یہ بات ذہن میں رہے کہ شریعت ابتدا ہے اور طریقت انتہا ہے اور شریعت مطہرہ کی پابندی کے بغیر انسان معرفت و حقیقت میں درجہ کمال حاصل نہیں کر سکتا- انہی نفوس قدسیہ میں امتیازی شان کے مالک پیران پیر دستگیر محی الدین سیدی شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی قطب ربانی شہباز لامکانی الحسنی والحسینی البغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذات اقدس نمایاں ہے-

آپؒ نے بھولی بھٹکی انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے بہت سی کتب تصنیف فرمائی ہیں- یوں تو آپ نے ہر کتاب مبارک میں قرآن و سنت کی تفسیر و تشریح فرمائی اور ہر تصنیف مبارک کو قرآن و سنت کے زیور سے مزین فرمایا- اس کے باوجود قرآن کریم کی دو تفاسیر کو مرتب فرمایا زیر نظر مضمون میں آپ کی مایہ ناز تصنیف لطیف فتوح الغیب شریف کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے-

فتوح الغیب شریف کا تعارف:

آپؒ کی کتاب مبارک فتوح الغیب بہت ہی لاجواب و بے مثال کتاب مبارک ہے- جس سے قدیم و جدید بلکہ ہر دور کے علماء کرام نے اکتساب فیض کیا- بطور خاص شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ)، شیخ عطاء اللہ بتلادی، حتی کہ تصوف کے ناقدین نے بھی اس کی شرح لکھی- جو اس کتاب مبارکہ کے علمی مقام کو ظاہر کرتی ہے- فتوح الغیب یہ علم تصوف و معرفت کے حقائق و معارف پر معرکۃ الاراء کتاب ہے- بنیادی طور پر یہ کتاب مبارک طالبان مولی اور سالکان طریقت اور حق کے متلاشی کیلئے مشعل راہ ہے اور مرشد کامل کے اوصاف سے مزین اور لبریز ہے کیونکہ مرشد کامل کا فریضہ بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ طالب صادق کو مخلوق سے نکال کر خالق حقیقی سے واصل کرتا ہے اور ماسوی اللہ سے بیزار کرتا ہے- لیکن یہ بات واضح رہے کہ کوئی انسان بھی از خود اس مقام کو نہیں حاصل کر سکتا جب تک "وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ

[1] (صحیح البخاری، باب حفظ العلم)

"اَلْوَسِیْلَۃَ" اور "کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کسی مردِ کامل اور مردِ خود آگاہ سے رہنمائی حاصل نہ کر لے-

فتوح الغیب شریف میں کل 81 مقالہ جات ذکر کئے گئے ہیں- ایک مقدمہ اور 78 مقالہ جات اس کتاب مبارک کے اصل ہے اور 3 مقالہ جات آپؒ کے صاحبزادے نے آپؒ کی وفات کے احوال میں ذکر کئے ہیں-

ہر مقالہ معرفت و حقیقت کا آئینہ دار ہے- یاد رہے کہ صوفیاء کرام نے کوئی استغراقی یا الحاقی چیزیں ذکر نہیں فرمائیں بلکہ اپنے مؤقف کو قرآن و سنت سے ثابت کیا ہے- جیسا کہ آپ نے ان 81 مقالات میں کم و بیش 147 آیات بینات اور 54 احادیث مبارکہ کو بطور استدلال پیش فرمایا اور 2 حدیث قدسیہ اور 5 خطابات اللہ تعالیٰ نے فرمائے دو مقام پر حضرت داؤد (علیہ السلام) سے اور تین مقام پر اولادِ آدم سے فرمائے جو آسمانی کتب میں ذکر ہیں اور 7 حکایات ذکر فرمائیں- اگر آپ اس کتاب مبارک کا بغور مطالعہ فرمائیں تو اس میں موجود مقالات کے عنوان بھی قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں - مثلاً "التواصی بالخیر، فی الابتلاء، فی النھی عن حب المال، التسلیم لامر اللہ، فی الخوف و الرجاء، فی التوکل، دع ما یریبک الی مالا یریبک، البغض فی اللہ، فی ذم الحسد، فی الصدق والنصیحہ، من شغلہ ذکری، فی التقرب الی اللہ تعالی، فی الزھد، فی عدم المنازعۃ فی القدر، فی قولہ تعالی کل یوم ھو فی شان" وغیرہ-

ان مقالات کے عنوان سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے طالب و سالک کی تربیت کیلئے جس نصاب کا انتخاب فرمایا وہ بے مثال و لاجواب ہے- جو بھی اسے عملی جامہ پہنائے گا وہ یقیناً قرب و حضوری کی منازل کو پائے گا-

آیئے! اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں اور قرآن پاک کا مطالعہ اولیاء کاملین کی تعلیمات کی روشنی میں کرتے ہیں-

ایک مؤقف پر متعدد آیات کریمہ:

جیسا کہ آپؒ فرماتے ہیں کہ اگر تجھ پر مصائب و آلام اور آزمائشوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں اور تیرے گوشت کو قینچیوں سے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو اسے کسی کے سامنے بیان نہ کر، اپنے آپ کو بچا، اللہ سے ڈر، شکایت سے پرہیز کر کیونکہ مصیبتوں میں سے اکثر مصائب و آلام اولادِ آدم پر اپنے پروردگار کی شکایت کی وجہ سے نازل کی جاتی ہیں- کس طرح تو اس ذاتِ اقدس کی شکایت کرتا ہے جب کہ وہ ذاتِ اقدس رحیم و کریم ہے اس نے اپنے بارے میں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ذکر فرمایا:

"وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ"[2]

"اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے"-

"خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ"[3]

"اور اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر ہے"-

"حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ"[4]

"حکمت والے خبردار کی طرف سے"-

"رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ"[5]

"مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا"-

"اَللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ"[6]

"اللہ اپنے بندوں پر لطف فرماتا ہے"-

"لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ"[7]

"اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا"-

ایک آیت سے مختلف جہتیں اور مفاہیم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْہُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ط اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ"[8]

"ہم نے یوں ہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں بیشک وہ ہمارے چُنے ہوئے بندوں میں ہے"-

---

[2] (یوسف:64)
[3] (الاعراف:87)
[4] (ھود:1)
[5] (التوبہ:117)
[6] (الشوریٰ:19)
[7] (آلِ عمران:182)
[8] (یوسف:24)

اس آیت مبارکہ کو آپؐ نے 5 مختلف عنوانات کے تحت ذکر فرما کر مختلف نتائج اخذ فرمائے۔

1: نفس کی ملکیت سے آزادی

جب سالک شیخ کامل کے حکم پر اپنے دل کو خواہشات سے، نفس کے ارادے سے شہوت سے اور غضب سے پاک کر لیتا ہے اور دل کے دروازے پر دربان بن کر بیٹھ جاتا ہے اور کسی بھی قسم کی نفسانی خواہش کو دل میں کھٹکنے نہیں دیتا تو اس وقت " كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ " کی عملی تفسیر کا اظہار دو طرح کے ہتھیاروں سے وجود میں آتا ہے "اعطیت سیف التوحید و مطالعة العظمة و الجبر و تعظمت و جبروت" یعنی سالک کو صفات جلال کا مظہر بنا دیا جاتا ہے اور توحید باری تعالیٰ کی تلوار عطا کر دی جاتی ہے جس سے برائی اور فحاشی کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور سالک شیخ کی صحبت و تربیت سے اللہ تعالیٰ کے خالص بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

2: خیر کو اختیار کرنا اور شر سے اجتناب کرنا

خیر اور شر ایک درخت کی دو شاخیں ہیں ایک ٹہنی میٹھا پھل رکھتی ہے اور دوسری کڑوا۔ پس سالک کو چاہئے کہ وہ نافرمانی کو ترک کرے اور کڑوے پھل والی شاخ کو اپنا مقدر نہ بنائے کہ کہیں اس کی کڑواہٹ اسے ہلاک نہ کر دے بلکہ شاخِ خیر سے اپنے لیے رزق کو تلاش کرے جس سے ایمان کو تقویت اور یقین کو کمال نصیب ہو گا۔ خیر کی شاخ اور ٹہنی سے منسلک رہنے کیلئے لازم ہے کہ اوامر کو بجالائے نواہی سے اجتناب کرے اور تقدیر کو تسلیم کرے ۔ تو اس سے توفیق خداوندی شامل حال ہو گی جیسا کہ آپ نے فرمایا: "حماک من شرہ و تفضل علیک بخیرہ و حماک عن الا سواء جمیعھا" دنیا و دینا۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شر سے تیری حفاظت فرمائے گا اور تجھے خیر کی خیرات سے فضیلت بخشے گا بلکہ دین و دنیا میں ہر آزمائش سے تجھے محفوظ فرمائے گا۔

3: حدود اللہ کی پاسداری اور رضائے الٰہی پر راضی رہنا

یاد رہے سالک جب راہ طریقت کو اختیار کرتا ہے تو اسے دو طرح کے مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایک آزمائش سے جسے صوفیائے کرام "قبض" سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرا کشادگی، نعمتوں کی فراخی اور ہر سوال پہ عطا کیا جانا جسے "بسط" سے تعبیر کرتے ہیں۔ جان لے حدود اللہ کی پاسداری اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے انسان جب ہر حال میں کوشاں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنے فضل و کرم کو کشادہ فرما دیتا ہے مراتب بہ مراتب بندے کو اپنے قرب اور مشاہدہ کی توفیق عطا فرماتا ہے جیسے مراقبہ، قرب، محبت، رجاء، خوف، حیاء، انس، طمانینت، یقین اور پھر مشاہدہ کی منازل تک رسائی عطا فرماتا ہے، اپنے دوستوں کو شریعت اور دین میں ہر قسم کے نقص اور قبح سے محفوظ فرما دیتا ہے ہر قسم کی برائی اور شر کو اس سے پھیر دیتا ہے۔

4: ذکر اللہ پر مداومت

جب سالک اپنے ظاہر و باطن کو ذکر اللہ اور طاعت و عبادت میں مشغول کر لیتا ہے یہاں تک کہ شب و روز، سفر و حضر، حرکت و سکون، تنگی و کشادگی، صحت و بیماری بلکہ ہر حال میں ذکر اللہ کو اپنے لئے اوڑھنا بچھونا اور شعار بنا لیتا ہے تو اس وقت توفیق الٰہی معین و ممد ہو جاتی ہے۔

5: مومن کیلئے کسی بھی چیز کو لینے میں توقف اور تحقیق کرنا

مومن مسلمان کسی بھی چیز کو لینے اور اختیار کرنے سے پہلے توقف کرتا ہے جو دل میں کھٹکے اور شریعت نے اس سے منع کیا ہو اس کو ترک کر دیتا ہے۔ حدیث پاک میں بھی ہے:

"مومن تحقیق کرنے والا اور منافق جلدی لینے والا ہوتا ہے"۔

مومن ہر قسم کی اشیاء چاہے وہ کھانے پینے سے متعلق ہوں، یا لباس و رہائش سے متعلق ہوں اس وقت تک توقف کرتا ہے جب تک شریعت اس کے جواز کا حکم نہ کرے اور حالت تقوی میں بعض اوقات اپنے حصے کی چیز کو بھی ترک کر دیتا ہے اور حالتِ فنائیت کو ترجیح دیتا ہے -یہی وہ مقام ہے جہاں پر وہ ہر قسم کی آفات و بلیلات اور شرور سے محفوظ ہو جاتا ہے-

فقراء اور صوفیاء کرام کا یہ خاصہ ہے کی وہ اپنی ہستی کی نہیں خدا کی بات کرتے ہیں اور اپنی معیت و رفاقت میں آنے والوں کو اسی بات کا درس دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضور غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) نے ”فتوح الغیب“ کے ابتدائی مقالات میں فناء کے مراتب ذکر فرمائے-

مخلوق سے فنا کے مراتب:

اس درس مبارک میں آپ نے بنیادی طور پر فنا کے 3 مراتب اور اس کی علامات کو ذکر فرمایا جو درج ذیل ہیں:

آپؒ فنائیت کا پہلا مرتبہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

”اذن الٰہی کے تحت مخلوق سے الگ تھلگ ہو جا“-

”مخلوق سے فنائیت اور الگ ہونے کی دلیل تیرے پاس یہ ہو کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اور جو کچھ ان کے ہاتھ یعنی تصرف میں ہے اس سے اپنے آپ کو مایوس کر لے (فقط خالق ومالک سے اپنی امید کو وابستہ رکھ)“-

آپؒ فرماتے ہیں کہ فنائیت کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ کے امر کے سبب اپنی خواہشات کو ختم کر لے“-

”اپنی خواہشات کے خاتمے کی علامت اور نشانی تیرے پاس یہ ہونی چاہیے کہ کمائی اور اسباب کے تمام ذرائع کو خاطر میں نہ لا، چاہے نفع کے حصول کیلئے ہوں یا نقصان کو دور کرنے کیلئے ہوں“-

آپؒ فرماتے ہیں کہ فنائیت کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ کے فعل کے سبب اپنے ارادہ کو اور اپنی چاہت کو فنا کر دے-اور اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ مبارک کے ساتھ تیرا نہ کوئی ارادہ ہو نہ غرض نہ حاجت نہ مقصد بلکہ ہر حال میں اس کی رضا پر راضی رہے“-

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم فرمایا:

”فَتَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ“[9]

”پس اللہ پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو“-

کیا حسنِ استدلال ہے جو انسانی زندگی کو مکمل احاطے میں لئے ہوئے ہے جس میں عمدہ تربیت، کبر وہوا کی نفی، زہد وتقوٰی کی تلقین اور ترک وتوکل کا درس موجود ہے-

یہ حقیقت عیاں ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی صفت مبارکہ ہے ماحی یعنی شرک کو مٹانے والے اور یہ بھی حقیقت سے کم نہیں کہ اولیاء اللہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شریعت کی متابعت میں قربِ خداوندی کی منازل کو طے کرتے ہیں اور فی الحقیقت ہر قسم کے شرک کو اپنے مرید و سالک کے وجود سے مٹا دیتے ہیں اور ایک خاص بات ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ صوفیاء کرام شرک ظاہری کے ساتھ ساتھ انسان کے باطن میں شرک کے وہم تک بھی پیدا ہونے والے وسوسے کے خاتمے کا اہتمام فرماتے ہیں-

شرک جلی و خفی کی صوفیانہ وضاحت:

آپؒ فرماتے ہیں:

”اپنے مَیں کے خول سے باہر اور اس سے علیحدہ ہو جا اور اپنی ملکیت کے ملک سے معزول ہو جا اور ہر ایک چیز کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے پس تو اپنے دل کے دروازے پر دربان بن جا اور وہ جس چیز کو داخل کرنے کا حکم دے اس کو اندر آنے دے اور جس چیز کو اندر داخل ہونے سے روکے اسے روک دے خواہشات کو دل سے نکل جانے کے بعد اسے داخل نہ ہونے دے کیونکہ فقط بتوں کی عبادت کرنا ہی شرک نہیں بلکہ خواہشات کی پیروی کرنا بھی اہل نظر کے ہاں شرک جلی ہے“-

آپؒ فرماتے ہیں کہ:

---

[9] (المائدہ:23)

"اپنے رب کے علاوہ غیر کو چاہے دنیا ہو یا جو کچھ دنیا میں ہے اس کو اس کے مد مقابل سمجھنا شرک ہی کی قسم سے ہے جب انسان رب کے علاوہ غیر کے آگے جھکا پس اس نے شرک کیا"۔

اس نقطہ نظر پر آپ (رحمۃ اللہ علیہ) دلیل دیتے ہوئے چند آیات مبارکہ کو ذکر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا"[10]

"تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے"۔

ایک اور مقام پر شرک کی وضاحت کرتے ہوئے آپؒ فرماتے ہیں کہ جب تو مخلوق سے اپنے بھروسے اور اعتماد کو اٹھا لے گا اور خود سے بھی جو امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں ان سے بھی توبہ کر لے گا تو شرک جلی اور خفی سے تجھے برأت مل جائے گی اور تجھے اس کی طرف سے عزت و عظمت سے نوازہ جائے گا۔ آپؒ نے اس بات کے ضمن میں 3 آیات مبارکہ

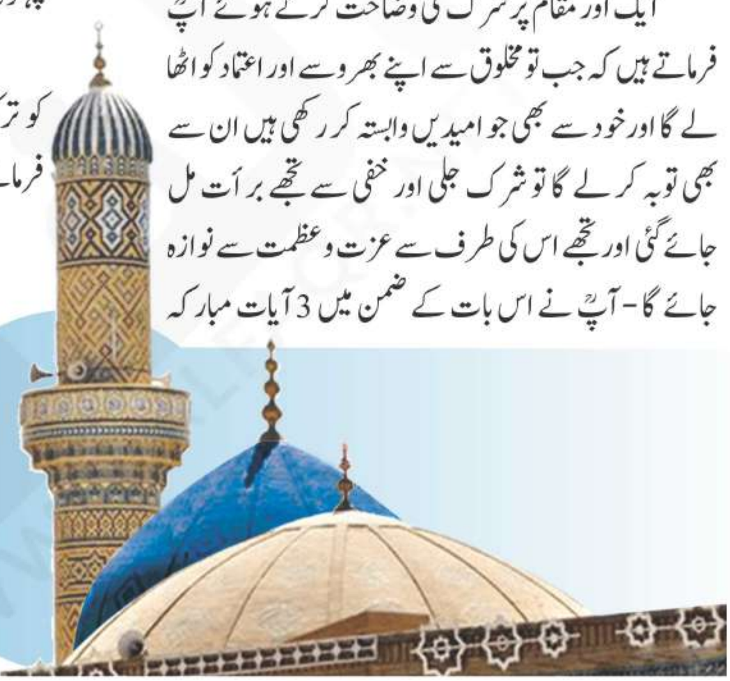

بطور دلیل ذکر فرمائی ہیں:

"وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ"[11]

"اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے جب کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین لاتے تھے"۔

"وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا"[12]

"اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھائیں گے"۔

"وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ"[13]

"اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے"۔

صوفیاء کرام اور اولیاء کاملین در حقیقت قرآن کریم میں غوطہ زنی کے نتیجے میں خود کو قرآن پاک کے اسرار و رموز سے مزین کیے ہوئے ہوتے ہیں تبھی تو وہ اپنی معیت و رفاقت میں آنے والوں کو اسی خدائی رنگ (صبغۃ اللہ) میں رنگتے ہیں جس کے حصول کے بعد بندہ اپنے مولی کے قرب و وصال کو پالیتا ہے۔

"دع ما یریبك الی ما لا یریبك"

اس مقالہ مبارک میں در حقیقت حدیث پاک کے دو پہلوؤں کو ذکر کیا گیا ہے:

1: "دع ما یریبك" کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اس کو ترک کر دے۔ حدیث پاک کے پہلے حصے کی وضاحت فرماتے ہوئے حضور غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"ہر اس چیز کو چھوڑ دے جو مخلوق کے ہاتھوں میں ہے اور اپنے دل کو اس میں نہ لگا اور کسی صورت میں بھی مخلوق سے امید نہ رکھ اور نہ ہی ان سے خوف کھا کیونکہ ان دونوں چیزوں کا تعلق خالق سے ہے نہ کہ مخلوق سے"۔

2: "الی ما لا یریبك" ہر اس چیز کو اختیار کر جو تجھے شک میں نہ ڈالے۔ اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے جو تجھے شک میں نہیں ڈالتی۔ فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر اس چیز کو پکڑ جو تجھے شک میں نہ ڈالے اور ہاں ایک بات کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ تیرے سوال پر عطا فرمانے والا بھی ایک ہی ہے اس کو پورا کرنے والی ذات بھی ایک ہی ہے اور تو ایک ذات پر امید رکھ اور اسی ایک سے ڈر اور وہی وحدہ لاشریک ذات موجود ہے اور وہی تیرا پروردگار ہے"۔

یعنی آپ فرما رہے ہیں کہ مخلوق سے طلب کی بجائے خالق سے طلب کر کیونکہ فی الحقیقت عطا تو اسی کی طرف سے

---

[10] (الکہف:110)　[11] (السجدہ:24)　[12] (العنکبوت:69)　[13] (البقرۃ:282)

ہوتی ہے- اس بات کی وضاحت آسان پیرائے میں یوں فرماتے ہیں:

”مخلوق کے دلوں پر اسی کا تصرف ہے اور انکے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ بھی اسی کا دیا ہوا ہے (واضح رہے جب آدمی کسی شخص سے دست سوال دراز کرتا ہے اور وہ شخص اسے جو کچھ دیتا ہے اس کے پیچھے کس ذات اقدس کی توفیق شامل حال ہوتی ہے) اس بندے کے ہاتھ کی حرکت دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم واجازت سے ہے اور اس کا ہاتھ روکنا بھی اسی کی مرضی کے عین مطابق ہے“-

اے انسان اس راز سے آگاہی حاصل کر لے کہ اس کے دروازے پر کیوں جاتا ہے جو دینے اور روکنے میں خود محتاج ہے اور اس کے در اقدس پے کیوں نہیں جاتا جو بن مانگے اتنا کچھ عطا کر چکا ہے جب تو اس کی بارگاہ اقدس سے طلب کرے گا تو وہ کس قدر بے حساب عطا فرمائے گا-

یہاں پر چھ آیات بینات کو ذکر فرمایا:

”وَاسْأَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ“[14]

”اور اللہ سے اس کا فضل مانگو“-

”إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ“[15]

”بیشک وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈو اور اس کی بندگی کرو اور اس کا احسان مانو“-

”وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ“[16]

”اور اے محبوب (ﷺ) جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے“-

”ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ“[17]

”مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا“

”إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ“[18]

”بے شک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا قوت والا قدرت والا ہے“-

”إِنَّ اللهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“[19]

”بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے“-

اختتامیہ:

اے جان من یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ ہمیشہ اہل اللہ نے دو باتوں پر بہت زیادہ توجہ دی ایک مخلوق کو مخلوق کے قریب کرنے کی اور دوسرا انسان کے ظاہر و باطن کی اصلاح کر کے مخلوق کو خالق سے جوڑنے کی یعنی انسان کو انسان سے اور انسان کو رحمٰن سے منسلک کرنا ان کا شعار اور علامت ہے- یقیناً یہی وجہ ہے کہ انسان انس کی پیداوار ہے- نفرت تو وحشی اور درندوں کی صفت ہے انسانیت کی صف سے نکل کر وحشیانہ کردار اپنانے والوں کیلئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ“[20]

”یہی لوگ جانوروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر“-

گویا ایسے لوگوں کو جانوروں کی صف میں شمار کرنا خود جانوروں کی توہین ہے- کیونکہ یہ اپنے اوصاف میں حیوانوں سے بھی گر چکے ہیں اگر جانوروں سے بھی سیکھ لیا جائے تو محبت کا عنصر ان میں بھی پایا جاتا ہے چہ جائے کہ انسان:

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

”تو جوڑ (محبت) کرنے کے لے آیا ہے، توڑ (نفرت) پیدا کرنے کے لئے نہیں آیا“-

یاد رہے! ”كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ“ کی حامل ہی وہ مقدس جماعت ہے جو اپنا نہیں بلکہ مخلوق کا درد لیے ”نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری“ کا فریضہ ادا کر رہی ہے اور بنی نوع انسان کے سینے میں محبت الٰہی اور عشق رسول (ﷺ) کی شمع کو روشن کر رہی ہے-

☆☆☆

[14](النساء:32)
[15](العنکبوت:17)
[16](البقرۃ:186)
[17](غافر:60)
[18](الذاریات:58)
[19](آلِ عمران:37)
[20](الاعراف:179)

سیاحت کا تصور اور قرآن مجید میں
"سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ" کی مقصدیت

مفتی محمد صدیق خان قادری

قرآن مجید ہدایت کا ایسا سرچشمہ ہے کہ جہاں سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے خالق و قادر ہونے اور اُس کے معبود برحق ہونے کی مختلف انداز میں راہنمائی ملتی ہے کہیں تو انسان کو اپنے انفس میں ڈوبنے کا حکم ملتا ہے کہ:

"وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ"[1]

"اور خود تمہارے نفوس میں (بھی ہیں)، سو کیا تم دیکھتے نہیں ہو"۔

تو کہیں انسان کو آفاق میں غور و فکر کرنے کا حکم ملتا ہے:

"سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ"[2]

"ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں"۔

تو گویا کہ ایک انسان بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و خالقیت کی نشانیوں کا سرچشمہ ہے کہ اگر تھوڑا سا انسان اپنی ذات میں غور و فکر کرے اور اپنے وجود کے نظم و نسق اور اس کی ترتیب و ترکیب میں غور و فکر کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ ایسا کامل و مرتب وجود عطا کرنے والی کوئی ذات ہے وہی معبود برحق اور خالق ہے۔

اب صاحب بصیرت انسان تو اپنے اندر غور و فکر کرکے اُس ذات تک رسائی حاصل کرلے گا، لیکن بصیرت سے محروم آدمی کیلئے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جابجا اپنی ذات پر دلالت کرنے والی بے شمار نشانیاں اور عجائب و غرائب رکھے ہیں تاکہ وہ بھی اُن میں غور و فکر کرکے منزل مقصود تک پہنچ جائے یہی وجہ ہے کہ جب ہم قرآن پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو کئی مقامات پر ہمیں "سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ" جس کو سیاحت بھی کہتے ہیں اس کا تصور ملتا ہے۔

جب آقا کریم (ﷺ) نے اہل عرب کو دعوت الی اللہ دی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اُس کے خالق و مالک ہونے اور اُس کے معبود برحق ہونے کا انکار کیا۔ انہیں "سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ" کا حکم دیا گیا کہ تم زمین پر چلو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ پہلے زمین پر نہیں چلتے تھے کہ اب انہیں چلنے کا حکم دیا جارہا ہے بالکل صاف بات ہے کہ وہ پہلے بھی زمین پر چلتے تھے کیونکہ پہلے اُن کا چلنا دنیاوی عیش و عشرت اور تجارت کی غرض سے ہوتا تھا اب جب انہوں نے دعوت الی اللہ کو جھٹلایا تو اب انہیں بطور تدبر اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے "سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ" کا حکم دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1](الذاریات:21)

[2](حم السجدہ:53)

"قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ"[3]

"تم فرمادو زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا"۔

ایک جگہ فرمایا:

"قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"[4]

"تم فرماؤ زمین میں سفر کرکے دیکھو، اللہ کیونکر پہلے بناتا ہے، پھر اللہ دوسری اٹھان اٹھاتا ہے، بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے"۔

تو کہیں فرمایا:

"قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ"[5]

"تم فرماؤ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا ہے"۔

ایک اور مقام پر کفار کو غور فکر کرنے پر تنبیہ کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا:

"اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ج فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ"[6]

"تو کیا وہ زمین میں نہ چلے کہ ان کے دل ہوں جن سے سمجھیں یا کان ہوں جن سے سنیں تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں"۔

مذکورہ آیات میں جہاں سیر و سیاحت کا تصور ملتاہے تو وہاں سیر فی الارض کی مقصدیت بھی واضح ہو رہی ہے کہ سیر و سیاحت محض وقت گزارنے کیلئے یا کھیل کود کیلئے نہیں ہونی چاہیے بلکہ با مقصد ہونی چاہیے یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے "سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ" کا حکم دیاہے اُس کو مقصد کے ساتھ بیان کیاہے وہ مقصد عبرت، تدبر اور نصیحت ہے۔

امام قشیری فرماتے ہیں کہ مالک بن دینار سے حکایت کیا گیا وہ فرماتے ہیں:

"اوحی اللہ تعالیٰ الی موسی (علیہ السلام) اتخذ نعلین من حدید و عصا من حدید ثم سح فی الارض وا طلب الاثار و العبرحتی تنخرق النعلان و تنکسر العصا"[7]

"اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی کہ آپ لوہے کا جوتا اور عصا بنائیں اور زمین میں چلیں اور اللہ کی نشانیاں دیکھیں اور اُس سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں یہاں تک کہ جوتے پھٹ جائیں اور عصا ٹوٹ جائے"۔

سیر و سیاحت میں تدبر و عبرت مقصود ہونے کے ساتھ ساتھ یقین کی پختگی کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ کائنات بہت خوب صورت اور رنگین ہے اس میں بڑے دلکش نظارے اور مناظر ہیں کہیں صحرا و میدان ہیں تو کہیں دلکش پہاڑ اور وادیاں اور کہیں بہتے دریا و سمندر یہ تمام چیزیں اِس کائنات کے خالق و مالک اور اُس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں تو جب انسان سیر و سیاحت کے ذریعے ان پُر کیف نظاروں کو دیکھتا ہے اور کائنات کے عجائب و غرائب اور زمین کے نشیب و فراز دیکھتا ہے تو اُس آدمی کا یقین اللہ تعالیٰ کی ذات پر مزید پختہ ہو جاتا ہے اور وہ بے اختیار پکار اُٹھتا ہے کہ اے اللہ تو ہی اس کائنات کا خالق و مالک اور تیری ذات ہی ان دلفریب نظاروں کو پیدا کرنے پر قادر ہے کسی اور کی بس کی بات نہیں۔

اسی لیے تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ"[8]

"زمین میں بھی یقین کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں"۔

[3](الانعام:11)
[4](العنکبوت:20)
[5](یونس:101)
[6](الحج:46)
[7](الرسالۃ القشیریہ، جز:2، ص:452)
[8](الذاریات:20)

قارئین اگر ہم غور کریں تو سیر فی الارض میں تدبر اور یقین کی پختگی کے ساتھ اصلاح نفس اور ریاضت نفس کا راز بھی پوشیدہ ہے-

شیخ ابو طالب مکی ”قوت القلوب“ میں با مقصد سفر کی برکت پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”جب اس قسم کا کوئی سفر اختیار کیا جائے تو مسافر کی نیت اصلاح قلب، ریاضت نفس اور انکشاف حال کی ہونی چاہیے -اس لیے کہ نفس تو کبھی قیام اور حضر میں یقین اور انقیاد ظاہر کرتا ہے اور بسا اوقات سفر میں سستی اور کاہلی دیکھاتا ہے- لہٰذا جب اُس پر سفر کی صعوبتیں پڑتی ہیں اور حقیقی امتحان کا سامنا ہوتا ہے تو وہ اپنے عام معیار سے ہٹ جاتا ہے پھر اُس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور اس کے تقاضے سامنے آتے ہیں اور مسافر کو بہت سے علوم اور بصیرتوں کا انکشاف ہوتا ہے جس سے وہ نفس کی پوشیدہ باتوں کو جان لیتا ہے“-[9]

اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام اکثر طور پر با مقصد زمین پر سفر کرتے تھے اُن کی اس سیر و سیاحت کا مقصد دین کی تبلیغ کے ساتھ اپنے حال کی استقامت اور تنہارہ کر عبادت و ریاضت (چلّہ) میں مصروف رہنا تھا اس لیے ابتدائی طالب مولا کیلئے ضروری ہے کہ وہ بھی اس قسم کا سفر اختیار کرے تاکہ حال کی استقامت کے ساتھ اُس کا یقین پختہ ہو جائے اور قلب مطمئن ہو جائے اُس کے نزدیک حضر و سفر برابر ہو جائے-

اسی چیز کے پیش نظر حضرت بشر حافی اپنے دوستوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

”سیحوفی الارض فان الماء اذاساح طاب و اذاوقف تغیر“[10]

”اے میرے صاحبو زمین میں سیاحت کیا کرو کیونکہ پانی جب تک چلتار ہتا ہے تو وہ پاک رہتا ہے اور جب ٹھہر جاتا ہے تو تبدیل (خراب) ہو جاتا ہے“-

آپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح پانی ٹھہر جانے سے اُس میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے تو اسی طرح تم بھی اگر ایک ہی جگہ ٹھہرے رہو گے ”سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ“ اختیار نہیں کرو گے تو تمہارے یقین اور احوال بھی متزلزل ہو جائیں گے جو کہ سالک کیلئے ایک خطرناک چیز ہے-

سیر و سیاحت میں دینی اور روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ جسمانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں سیر و سیاحت سے انسان اپنے اندر فرحت و خوشی محسوس کرتا ہے بوریت ختم ہو جاتی ہے تو دل بہتر طریقے سے کام کرنے لگ جاتا ہے جسمانی اور دماغی تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں آدمی کو اپنے دینی اور دنیاوی کام بہتر طریقے سے کرنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے سیر و سیاحت آپ کی تخلیقی صلاحیت میں اضافہ کرتی ہے، قدرتی مناظر کی سیاحت آپ کے ذہن کے نئے دریچے کھول دیتی ہے اور آپ کی تخلیقی صلاحیت بہتر ہو جاتی ہے ہر روز نئے لوگوں سے ملنا اُن کی گفتگو اور کلام سننا، اُن کے کلچر کا مشاہدہ کرنا اور اُن کے تجربات سے فائدہ اُٹھانے سے آپ کی ذہنی استعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور دنیا کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے-

☆☆☆

[9] (قوت القلوب، جز:2، ص:344)

[10] (درر الحکم لابی منصور الثعلبی، جز:1 ص:58)

www.youtube.com/AlfaqrTv
www.alfaqr.tv
YouTube
CHANNEL
صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب
کے علمی، فکری اور تربیتی خطابات کی ویڈیوز دیکھنے کیلئے
Alfaqr.Tv
Official Channel Of Islahee Jamaat & Almi Tanzeem-ul-Arifeen
قرآن مجید سے فیض حاصل کرنے کا بہترین طریقہ
2:13
"مثنوی معنوی"
ادب کو بجالانے کی خواہش اور ادب کو ترک کرنے کی نحوست
17:38
دین اسلام، دین فطرت ہے
1:07
رسولِ پاک کا حسن وجمال کیسا تھا؟
1:22:05
اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان حجابات کب اٹھتے ہیں؟
3:17
خدا کیسے ملتا ہے؟
110K Views
2:32
بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مقام
3:08
حضور نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر واضح قرآنی دلیل
2:51
شانِ اہلبیت پر قرآن مجید کی آیت
1:29
الفقر ٹی وی ویب سائیٹ اور یوٹیوب چینل وزٹ کریں

English Translation of

SULṮĀN AL-‘ĀRIFĪN SULTAN BAHOO'S

Persian Book

‘AYN AL-FAQR

EYE OF SPIRITUAL-EXCELLENCE

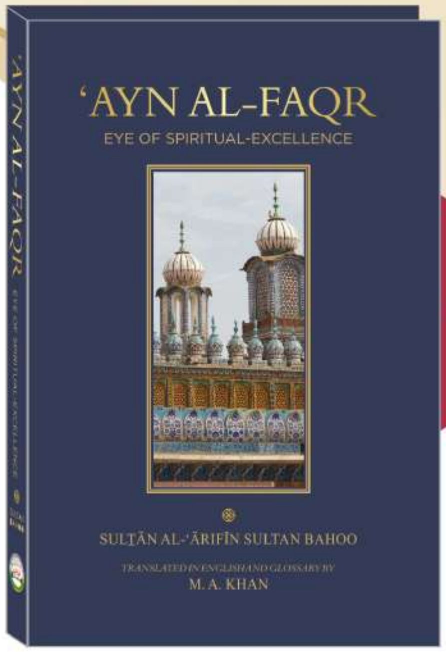

Published & Available

TRANSLATED BY

M. A. KHAN

Luton, UK

A Meaningful Struggle

International Standard

عین الفقر حضرت سلطان باھوؒ کی شاہکار تصنیف ہے جو طالبانِ مولیٰ کی رہنمائی کے لئے لکھی گئی ہے- یہ کتاب سالکانِ راہِ حق بالخصوص خانوادہ حضرت سلطان باھوؒ کو صدیوں سے فقر و تصوف کے بنیادی درس کے طور پر پڑھائی جا رہی ہے- ایم اے خان کی جانب سے کئے گئے اس انگریزی ترجمہ کا مقصد اس عظیم روحانی و ادبی ورثے کو انگریزی قارئین تک پہنچانا ہے- انہوں نے حضرت سلطان باھوؒ کی اصطلاحات کا منفرد انداز میں ترجمہ کیا ہے اور ان کی نہایت عالمانہ تشریح کی ہے جو پڑھنے والے کے لئے آسانی پیدا کرتی ہیں-

یہ ترجمہ حضرت سلطان باھوؒ کے پیغام کو دُنیائے جدید میں پھیلانے کا مؤثر ذریعہ ہے-

علم دوست لوگوں کے لئے خوبصورت تحفہ

ہیڈ آفس: دربارِ عالیہ حضرت سخی سُلطان باھوؒ ضلع جھنگ (پنجاب) پاکستان

پی او بکس نمبر 11 جی پی او لاہور

ویب سائٹ: www.alfaqr.net

ای میل: alarifeenpublication@hotmail.com

العارفین پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور-پاکستان

اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں